جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	اسلامی حکومت کا فلاحی تصور
مصنف	مولانا سعید الرحمن علوی
ناشر	مکتبہ جمال، اردو بازار، لاہور
اہتمام	میاں غلام مرتضےٰ کھٹانہ
کمپوزنگ	حبیب الرحمن
پرنٹرز	گنج شکر پرنٹرز
سن اشاعت	2003ء
قیمت	-/120روپے

ملنے کا پتہ:

مکتبہ جمال

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور فون: ۷۲۳۲۷۳۱

Email: maktaba_jamal@email.com

maktabajamal@yahoo.co.uk

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

فہرست مضامین

تشکر ....

پیش لفظ ....

اسلامی حکومت کا فلاحی تصور ....

اقتصادی مسئلہ کا **حل**
قرآن وسنّت اور فقہ کی رُو سے ....

الجبر __ جبر کے لغوی شرعی تحقیق ....

تعارف ....

www.IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved.

تشکّر

میں جب بھی والدہ محترمہ کی قدم بوسی اور برادرانِ حافظ عبدالرحمٰن علوی، حافظ عتیق الرحمٰن علوی اور قاری ابوبکر خالد، سلمھم الرحمٰن سے ملاقات کے لئے راولپنڈی جاتا ہوں تو قبلہ والدِ بزرگوار مولانا محمد رمضان علوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص ساتھی مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی کے رُوح رواں محترم عبدالشکور صاحب کی زیارت و ملاقات اور ان کے مکتبہ پر حاضری جہاں قلب و روح کے سکون کا باعث ہوتی ہے وہیں قبلہ والدگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات بھی دنیاوی معاملات میں شرعی طور پر نئی آب و تاب کے ساتھ راہنمائی کا باعث بنتے ہیں۔

چند ماہ قبل جب مکتبہ رشیدیہ پر حاضر ہوا تو محترم عبدالشکور صاحب کے توسط سے لاہور کے معروف ''مکتبۂ جمال'' کے روح رواں جناب مختار احمد سے محبت کا سلسلہ استوار ہو گیا، دورانِ گفتگو اُنہوں نے برادرِ مرحوم قاری سعید الرحمٰن علوی کے مضامین کے بارے میں دریافت فرمایا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ مرحوم کے بکھرے مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل میں لانا چاہتا ہوں۔ میں نے اُن کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے دستیاب مضامین اُن کے حوالے کر دیئے۔

علوی مرحوم کا بچپن ہی سے قلم سے رشتہ استوار ہو گیا تھا لیکن جب امیر انجمن خُدام الدین حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ سے وابستگی کے ہمراہ اُن کے حکم پر اُنہوں نے ہفت روزہ ''خدام الدین'' کی ادارتی ذمہ داری سنبھالی تو اُن کی تحریر میں مزید نکھار پیدا ہونے کے علاوہ کشش اور تڑپ بھی بڑھ گئی۔ ''خدام

الدین‘‘ سے وابستگی کے علاوہ **ملک** کے مختلف اخبارات و جرائد میں بھی اُن کے مقالات چھپتے رہے۔

بھائی مرحوم کی خواہش تھی کہ مضامین کو یکجا کیا جائے مگر مشتِ خاک، قضا و قدر کے فیصلے کے آگے بے بس ہے۔ وہ خالقِ حقیقی کے بلاوے پر لبیک کہتے ہوئے اپنے دل میں پنہاں خواہشات کے ہمراہ رزقِ خاک ٹھہرے۔ خدا بھلا کرے برادرم مختار احمد صاحب کا کہ اُنہوں نے علوی مرحوم کی خواہشات کی تکمیل کا عزم کیا ہے۔

اپنے انتہائی محسن و مہربان پنجاب یونیورسٹی کے ہردل عزیز اُستاد افضل حق قرشی کا بے حد ممنون ہوں کہ اُنہوں نے مضامین کی ترتیب میں میری راہنمائی فرمائی، بھائی مرحوم کے ہونہار فرزند عزیزی حافظ خلیل الرحمٰن علوی اور دخترِ نیک اختر عزیزہ رافیہ سعید نے بڑی عرق ریزی سے پروف ریڈنگ کی۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

یہ علوی مرحوم کے مقالات کا پہلا حصہ ہے۔ اللہ نے چاہا تو دوسرا حصہ بھی بہت جلد آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ میرے اساتذہ، والدِ بزرگوار اور بھائی مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دُعا فرمائیں۔

برادرم مختار احمد صاحب اور کارکنان ’’مکتبۂ جمال‘‘ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے ان کے لیے دُعا گو ہوں۔

عزیز الرحمٰن خورشید
خطیب جامع مسجد فاروقیہ، ملکوال
منڈی بہاؤ الدین

پیش لفظ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہر شخص اور ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ اس سے نہ کوئی انکار کر سکتا ہے نہ فرار۔ کارسازِ حقیقی اس کارخانہ حیات کو اپنی مرضی ومنشاء سے چلاتا ہے۔ لیکن ہر ایک کو اپنے اپنے حصہ کا کام کرنا ہے۔ خوش نصیب اور کامیاب ہے وہ شخص جو اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی ومنشاء کے مطابق صرف کرے۔ ایسے ہی خوش نصیب تھے عزیز محمد سعید الرحمٰن علوی، جن کی علمی قابلیت کا فقیر معترف ہے۔

عزیز مرحوم نے بہت کم عمر پائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب تک زندہ رکھا عزیز نے اسے دینی مقصد کے لئے صرف کیا۔ جو بات کی پورے حق کے ساتھ کہی اور ہمیشہ اہلِ حق کا ساتھ دیا۔ عزیز مرحوم نے ملک کے مختلف جرائد ورسائل میں علمی تحقیقی مضامین لکھے۔

ملکی حالات ہوں یا تہذیبی، معاشرتی، معاشی نظریات، ہر ایک کو انہوں نے دین کی نظر سے دیکھا اور پرکھا۔ ان کے مضامین کی افادیت واہمیت مسلّمہ ہے۔ اسلوب سادہ اور آسان ہے۔ مزاج علمی اور اہلِ حق کے جذبہ جنون سے عبارت ہے۔ قارئین انشاء اللہ العزیز ان کے مجموعہ مضامین کو نہایت مفید پائیں گے۔

علوی مرحوم کے برادر بزرگ عزیزی مولوی عزیز الرحمٰن خورشید سلمہ الرحمٰن نے ان مضامین کو یکجا کر کے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بڑا اجر عطا فرمائے۔

فقیر دُعا گو ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس مجموعہ کو نافع بنائے۔ مصنف و مرتب دونوں کو اللہ پاک دین دنیا کی خیر و برکت سے نوازے۔ آمین!

فقیر خان محمد عفی عنہ

خانقاہ سراجیہ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اسلامی حکومت کا فلاحی تصوّر

''اسلام'' نام ہے امن و سلامتی اور صلح و آشتی کا۔ حضور اکرم محمد عربی خاتم النبیین والمعصومین صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ سے پہلے بھی عقائد صحیحہ کے مطابق حیات گزارنے والوں کو مسلمان ہی کہا جاتا تھا مثلاً سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے واقعات کے ضمن میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ[1]

جب اسے اس کے رب نے کہا کہ فرماں بردار (مسلم) ہو جا تو کہا میں جہانوں کے پروردگار کا فرماں بردار ہوں __ (اور ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی کہ) سو تم ہرگز نہ مرنا مگر در آنحالیکہ تم مسلمان ہو۔

لیکن جس طرح باقی ہر چیز حضور اقدس علیہ التحیۃ والتسلیم کی ذات گرامی کے ساتھ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے مکمل شکل میں سامنے آئی، یہی حال اسلام کا بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

کہ آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور میں نے تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے۔[2]

بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن عزیز نے جس امت وملت کو ''مسلمان'' کے نام سے یاد کیا وہ حضور اقدس علیہ الصلوۃ والتسلیم ہی کی امت آپ کے نام لیوا ہیں۔ اس کے سوا جو امم اور ملتیں ہیں ان کا تشخص و تعارف دوسرے ناموں سے کرایا گیا اور لطف یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بناء کعبہ کی دُعاؤں میں اس امت کے لیے ''اُمت مسلمہ'' کا لفظ موجود ہے[3]

ایک اور دوسرے مقام پر ''امت'' کو مخاطب کر کے کہا:

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے ربّ کی بندگی کرو، اور بھلائی کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو__ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرو جیسا کوشش کرنے کا حق ہے اُس نے تمہیں پسند کیا ہے اور دین میں تم پر کسی طرح سختی نہیں کی، تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے اُسی نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا تھا الخ[4]

گویا اُمت کا تعارفی اور تشخصی نام ''مسلم و مسلمان'' ہے اور اسے جو دین ملا وہ ''دین اسلام'' ہے__ جیسا کہ ارشاد ہے:

بے شک دین اللہ تعالیٰ کے یہاں ''اسلام'' ہی ہے[5]

''دین اسلام ان ہدایاتِ ربانی کا نام ہے جو قرآن مجید کی شکل میں قلبِ مصطفوی پر نازل ہوئیں اور آپ ﷺ نے ان کو آگے منتقل فرمایا اور نہ صرف ان الفاظ قرآنی کو منتقل فرمایا بلکہ ان کی ''تبیین و وضاحت'' کا فرض بھی سرانجام دیا کہ جس خالق کائنات اور علیم وخبیر ذات نے آپ ﷺ کو ''الفاظ قرآنی'' کی نعمت سے سرفراز فرمایا اُسی نے آپؐ ﷺ کو ''''مبین'' بھی بنایا تھا۔

اور ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا تا کہ لوگوں کے لیے واضح کردے جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تا کہ وہ سوچ لیں[6]

Iqbal Cyber Library
All rights reserved
©2002-2006

اب صورت یہ بنی کہ ہدایاتِ ربانی اور ان کی وہ وضاحت و تبیین جو معلّمِ انسانیت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمائی ــــ ہر دو کے مجموعے کا نام ''الاسلام'' ــــ اور یہی ''الاسلام'' ہے جس کو اعتقاداً ماننے اور عملاً اپنانے سے انسانوں کو دارین کی فلاح میسر آتی ہے ایک انسان جو اس دھرتی پر جیتا اور بستا ہے وہ سکون و فلاح کا متلاشی ہوتا ہے لیکن یہ دولتِ سرمدی بہت کم لوگوں کو میسر آتی ہے کیونکہ اکثر لوگ اپنی حماقتوں، جہالتوں اور بے راہ روی کے نتیجہ میں بھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ اور ظاہر ہے جب پاؤں پھسلتا ہے تو تھوڑی بہت چوٹ لگتی ہی ہے۔ ٹھیک یہی حال انسان کے فکر و نظر کا ہے، بھٹکا ہوا دل اور بہکی ہوئی نظر کا ردِ عمل نہ ہو یہ ممکن نہیں۔ وہ راس رو طبیعتیں جنہیں قدرت ''سلامتی کی راہ'' چلنے کی توفیق دے دیتی ہے، اُن کے لیے یہ اور آنے والی دنیا خیر و بھلائی کا گھر بن جاتی ہے اور انہیں دولتِ سکون میسر آ جاتی ہے انسانی آبادی کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ سے محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد بھی ''سلامتی کی راہ'' کا دشمن رہا ہے، اس کے احوال سے فی الوقت بحث نہیں کہ یہ اس کا محل نہیں لیکن آج کی اس دھرتی کا وہ ایک ارب سے زائد انسان جو اپنے آپ کو کلمہ گو کہتا ہے اور مسلمان شمار کرتا ہے۔ اس کا کیا حال ہے؟

☆ اس کی صفوں میں انتشار ہے۔

☆ وہ ایک دوسرے کی جان و عزت کا دشمن ہے۔

☆ سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے۔

☆ معاشی اونچ نیچ اس کا مقدر ہے۔

☆ جدید علوم و سائنس میں وہ غیروں کا محتاج ہے۔

☆ اس کے شہروں اور قصبوں کی بڑی آبادی واجبی چھت اور عام ضروریاتِ زندگی سے محروم ہے۔

☆ اس کے عقائد کا حال پتلا اور ناگفتہ بہ ہے تو اس کے یہاں فرائض ربانی کی ادائیگی کا اہتمام نہیں۔

☆ اخلاقی اقدار و روایات جو اس کا عظیم سرمایہ تھا وہ اس سے محروم ہے۔

بات بالکل سچ ہے کہ

مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب

اقبال کے الفاظ میں مسلمان ''خاک کا ڈھیر'' ہے اور مظلوم مفکر و صاحبِ علم عبید اللہ سندھی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ انقلابِ روس کے بعد جب میرا روس جانا ہوا تو روس کی سیکنڈ لائن کے اکثر زعماء سے تفصیلی باتیں ہوئیں میں نے انہیں احساس دلایا کہ ''معاشی مسائل'' کے حل کا جو نسخہ آپ نے تجویز کیا وہ وقتی بات ہے۔ مسائل پھر جنم لیں گے۔ اس مسئلہ کا پائیدار حل وہ ہے جو قرآن مجید نے ارشاد فرمایا۔ اور میں نے قرآن عزیز کے حوالہ سے وہ اُصول انہیں سمجھائے، وہ بے حد متاثر ہوئے افسوس کا اظہار کیا کہ انہیں ان حقائق کا علم پہلے نہ تھا (یہ بات مسلمانوں کے نظامِ دعوت و تبلیغ کے نقص کو ظاہر کرتی ہے جبکہ اسلام کے نام لیوؤں پر عصری تقاضوں کا بھرپور لحاظ کر کے اس کی دعوت و تبلیغ فرض و لازم ہے) لیکن جونہی انہوں نے پلٹ کر مجھ سے ان اُصولوں کے مطابق عملی مملکت کا سوال کیا تو میرے پاس ندامت کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔[۲]

جب مرحوم مولانا سندھی روس گئے اس وقت بھی مسلم حکومتوں اور مسلم حکمرانوں کی کمی نہ تھی اور آج جبکہ دریا کے پلوں تلے بڑی مقدار میں پانی گزر چکا ہے تو اور انقلاب روس پر ستر برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ خود روس میں جواں ہمت گوربا چوف بڑی تبدیلیاں لا رہے ہیں۔ مسلم حکومتوں کی کمی نہیں بلکہ اب اسلامی سیکرٹریٹ ہے، اسلامی بینک ہے، اسلامی پریس ایجنسی ہے اور نہ معلوم اسلام کی نسبت سے کیا کیا ہے؟ لیکن اسلامی اُصولوں، عدل و احسان اور مشاورت کی بنیاد پر

کوئی حکومت موجود ہے؟ بدقسمتی سے اس سوال کا جواب صریحاً نفی میں ہے اور یہ آج کی امت کا عظیم المیہ ہے۔

''مسلم امہ'' کا وہ طبقہ جو ایسے ممالک میں قیام پذیر ہے جہاں کے حکمران اور اکثریتی آبادیاں مسلمان نہیں، وہ تو یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ ہم مجبور ہیں لیکن وہ طبقہ جو آزاد، خودمختار اور اپنے ہی ممالک میں قیام پذیر ہے۔ اس کے پاس اس بات کا کیا عذر ہے کہ وہ اسلامی عدل واحسان اور مشاورت کی بنیاد پر اپنا اجتماعی نظام وضع نہیں کر سکا۔ وہ غیروں کے چبائے ہوئے لقمے نگل رہا ہے اور غیروں کے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔ اس کا انجام واضح ہے کہ آج اس کا انگ انگ زخمی ہے۔ کہیں وہ شاہی نظام کی چیرہ دستیوں کا شکار ہے تو کہیں فوجی آمریت اور مادر پدر آزاد جمہوریت اس کے اعصاب پر سوار ہے۔ آج کا مسلمان اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ گویا اس طرح تہی دامن ہے کہ اس کے پاس نہ کوئی نظام ہے نہ کسی اجتماعی سسٹم کا خاکہ۔ البتہ اس بدنصیب امت کی سیاسی قیادت اور مذہبی وڈیرہ شاہی، جب یہ خیال کرتی ہے کہ اس کا اقتدار خطرے میں ہے اور اس کے ظالمانہ اقتدار کے خلاف عوام کا ردعمل ہونے والا ہے تو وہ اسلام کی دہائی دے کر اپنی معصومیت کا اظہار کرنے سے نہیں چوکتے اور اس طرح عوام کی جذباتیت سے فائدہ اٹھا کر اسلام کی آڑ میں اپنے جرائم پر پردہ ڈال لیتے ہیں۔ آج معاشرہ میں جتنی خطرناک معاشی ناہمواری اور اونچ نیچ ہے اس کا اندازہ اس شعر سے ہو سکتا ہے جو ہمارے حالات کا صحیح عکاس ہے۔

ہے اِدھر بھی آدمی، اُدھر بھی آدمی
اِس کے جوتے پر چمک اُس کے چہرہ پر نہیں

اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے وہ دو شعر بھی بہت اہم ہیں جو انہوں نے اختر شیرانی کی مشہور نظم ''قحط بنگال'' سن کر ایزاد کر کے اختر شیرانی کی

نذر کر دیے۔

ملیں اس لیے ریشم کا ڈھیر بنتی ہیں
کہ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں
چمن کو اس لیے مالی نے خوں سے سینچا تھا
کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

ایسا نظامِ اجتماعی جس میں وسائل رزق پر ایک طبقہ کی اجارہ داری ہو، اور عام لوگ بنیادی ضروریات تک سے محروم ہوں وہ نظام ظالمانہ ہوگا۔ اسلام کے نظامِ عدل سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ ہوگا اور ایسے ظالمانہ اور سفاکانہ نظام کو ''تقدیر الٰہی'' اور ''تقسیم الٰہی'' قرار دینے والے اُس جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں جن کی سنگینی کا انہیں احساس نہیں اور داور محشر کی عدالت میں انہیں اس کا جواب دینے کے لیے ابھی سے اپنے آپ کو تیار ہو جانا چاہیے۔

ہم زیر بحث موضوع میں یہ دکھانے کی سعی کریں گے کہ اسلام کس قسم کے فلاحی معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے اور اسلام کا نظامِ عدل و احسان ہے کیا؟ جس کو اپنا کر آج کا دکھی انسان سکھ اور چین کی زندگی گزار سکتا ہے؟

لیکن ایک لمحہ رک کر اس تصویر کو سامنے لے آئیں جو اس دنیا کی اُس وقت تھی جب پیغمبر انسانیت و اسلام صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کے سر پر تاج نبوت ابھی نہ رکھا گیا تھا: آپؐ محض ''محمد بن عبداللہ الہاشمی القرشی'' تھے، البتہ آپؐ کی بلند و بالا اخلاقی عظمت کے حوالے سے لوگ آپؐ کو ''الصادق الامین'' اُس وقت بھی کہتے تھے۔ ہدایت ربانی کا نزول ابھی شروع نہ ہوا تھا، دھرتی پر لوگ چلتے پھرتے تھے، کاروبار اور معاملات کا سلسلہ رواں دواں تھا، اُس وقت کے حالات اور ضرورتوں کے تحت اجتماعی نظام بھی موجود تھا۔ لیکن حالات کیا تھے؟ اس سوال کو یہاں حل کرنا ضروری ہے کہ تقابلی مطالعہ معاملات کی تہہ تک پہنچنے کا اچھا ذریعہ

بنتا ہے۔

تُعرف الاشیاء باضدادھا

وہ دور جب فاران کی چوٹیوں سے فلاح و اصلاح کی دعوت کا آغاز ہوا، اُس وقت مذہب، فنون لطیفہ، تعمیرات، ادبیات، سیاسیات، صنائع غرض ہر شعبہ میں انسان ترقی کی بڑی منازل طے کر چکا تھا۔ ایران و روم کی متمدن اور طاقتور حکومتیں چشم فلک دیکھ چکی تھیں۔ بلکہ دیکھ رہی تھیں ساتھ ہی ایک تیسری طاقت بھی خاموشی سے اپنا رول ادا کر رہی تھی یعنی چین کی خان بالغ حکومت، پھر انسانی دماغ اہرام مصر سے لے کر ایلورہ، اجنڈ اور آبا صوفیہ جیسی عمارتیں بنا چکا تھا۔ انسانیت توریت کی گرمی اور انجیل کی نرمی، وید کی ذات پات اور انگریز کی تقسیم در تقسیم پالیسی سب کچھ دیکھ چکا تھا، ارسطو کی پالٹیکس اور مہابھارت اس کے ہاتھ مظبوط کر چکے تھے۔ گویا اس وقت کا انسان مادی عظمت کے بڑے مدراج طے کر چکا تھا پر افسوس کہ ان کمالات کے باوصف روحانی بدنصیبی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اخلاقی زوال کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔

ایرانی اپنی گوری رنگت کے سبب ناز کرتے اور ایسا کہ حبشہ اور ہند کے رہنے والے ان کے نزدیک ''کوے'' تھے تو عرب اپنی زبان کی ساخت اور ادائے مفہوم کی صلاحیتوں پر اتنا اتراتے کہ ساری دنیا کو ''گونگا'' خیال کرتے [۵]

مصلح انسانیت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے واضح کیا کہ گوری رنگت اور کسی زبان کا حسن اپنی جگہ، لیکن یہ ایسی بات تو نہیں جس پر اترایا اور اکڑا جائے اپنے ہی بھائی بندوں کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ فاران کی چوٹیوں سے جو نغمہ برابر گونج رہا تھا اس میں دنیا والوں نے سنا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے۔ (محض ترجمہ)

(وہ خالق کائنات جس نے تم کو پیدا کیا لیکن تم گمراہ کن تقسیم کا شکار ہو کر رہ

گئے) اُس کی نشانیوں میں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا مختلف ہونا ہے بے شک اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ [۹]

انسان کا عجیب معاملہ ہے وہ متضاد قسم کے جذبات کا حامل ہے اس میں رحم کا جذبہ اور غضب کی قوت بیک وقت موجود ہے۔ وعلی ہذا القیاس مصلح اپنی تربیت سے وہ رخ متعین کر دیتا ہے کہ ان جذبات کا اظہار کا موقعہ و محل کیا ہے؟ ایک مظلوم ہمدردی کا مستحق ہے تو ایک ظالم اس قابل ہے کہ اس کو اس کے کیے کی سزا دی جائے، یہی عدل ہے اور یہی انصاف کی سزا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام و انسانیت کے حسن تربیت نے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ اس نغمہ لاہوتی کے سننے والے زبانوں اور رنگتوں کے اختلاف کے باوجود ایک کنبہ کے فرد بن گئے۔

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

زبان و رنگ کے حوالہ سے اپنی برتری کا زعم رکھنے کی شدید بیماری کے ساتھ ساتھ اس وقت ایک سنگین بیماری پورے معاشرے کو چمٹی ہوئی تھی اور وہ تھی ذات پات کی تقسیم۔ جس کی بدترین شکل پڑوسی ملک میں اب بھی نظر آتی ہے۔

ایک آدم وحوا کی اولاد اپنے اوپر دوسرے کا سایہ پڑنے نہ دیتی تھی علم و عرفان کی دنیا میں بخل کا عالم یہ تھا کہ کسی مقدس کتاب (وہ واقعۃً ہو یا انسانوں کے کسی گروہ نے اسے بنا دیا ہو) کو کوئی ایسا شخص چھو لے پڑھ لے سن لے۔ جسے معاشرہ اس کی اجازت نہ دیتا ہو تو اس کے کان میں پگھلا کر سیسہ ڈال دیا جاتا اور اس سے بھی بدتر سزائیں موجود تھیں اس کے علاوہ بھی نفرتوں کا ایک الاؤ تھا جو انسانیت کو بھسم کر رہا تھا۔ [۱۰]

لیکن عین اسی گھڑی جب یہ حالت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی وہ صدا بلند ہوئی جس میں

’’انتقامی جذبات کی لہر‘‘ جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سالہا سال اور نسل در نسل یہی دھندا تھا۔

اس حوالہ سے صرف جزیرہ عرب کا ہی برا حال نہ تھا بلکہ روم و ایران (دو سپر پاورز اور اُس دور کے دو بڑے وڈیرے) کی ہزار سالہ کشمکش اور جنوبی ایشیا میں بدھ مت اور برہمنی جھگڑے بھی اسی طرح کے تھے۔

کوئی شخص کسی جگہ کے حالات کا وقت نظر سے جائزہ لے تو عجیب کیفیت اُس کے سامنے آئے گی، اس کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ فریق اوّل قصوروار ہے یا فریق ثانی۔ قریبی عہد میں امریکہ جاپان کے حالات کو پڑھا جائے تو کبھی امریکہ سے ہمدردی پیدا ہونے لگتی ہے کبھی جاپان سے۔ دراصل جہاں ضد تعصب ہٹ دھرمی اور مفادات کی کشاکش ہوگی وہاں یہی حالات ہوں گے کہ نہ جانیں محفوظ ہوں گی نہ مال اور آبرو۔ ہمارے دیہی معاشرے میں جہالت وتعصب کی گرم بازاری اب بھی کہیں کہیں نظر آنے لگتی ہے کہ مخالفت کے سبب رات کی تاریکی میں مخالف کا مکان جلا دیا جاتا ہے جس میں معصوم بچے اور خواتین تک بھسم ہو جاتی ہیں۔

اس مصیبت سے چھٹکارے کی ایک شکل ہے کہ آدمی عفو و درگذر کا وطیرہ اپنا لے اور یہ سوچ لے کہ جو ہوا سو ہوا (مضٰی ما مضٰی) مزید بات کو بڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟

لیکن اسلام کے ابر رحمت کے چھم چھم برسنے سے متصل قبل جو حالات تھے ان میں عفو و درگذر کا لفظ شاید ڈکشنری میں تھا ہی نہیں وہاں کا سماج تو ایسا ظالم تھا کہ وہ امام برحق۔ محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ۔ جن کو چند دن قبل لوگ ’’الصادق الامین‘‘ کہتے، اب ان کی جان کے درپے تھے۔ قرآن کی شہادت ہے۔

اور جب کافر تیرے متعلق تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا تمہیں قتل کر دیں یا تمہیں دیس بدر کر دیں۔ وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔[13]

وہ ''الصادق الامین'' اور اس کے مٹھی بھر رفقاء پر مکہ معظمہ کی زمین تنگ کی جاتی ہے اور وہ بصد حسرت و یاس مکہ معظمہ کو چھوڑ کر حبشہ کے بعد یثرب (مدینۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا رخ کر لیتے ہیں لیکن سردارانِ قریش اور ان کے حوالی موالی یہاں بھی تو پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ایک جنگ دوسری جنگ، تیسری جنگ۔ پھر حدیبیہ کے مقام پر مکہ معظمہ کی حاضری سے روکنا۔ جبکہ اس مقام مقدس سے کسی کو بھی روکا نہ جاتا تھا۔ یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد۔

۸ھ میں جب مکہ معظمہ فتح ہوا اور اس طرح کہ کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹی تو اس وقت مکہ میں قتل عام کیا جاتا۔ اہل مکہ کی جائیداد سے انہیں بے دخل کیا جاتا تو اُس دور کے سماج کے حالات کی مناسبت سے کوئی بری بات نہ ہوتی کہ شاریا غیر مختتم انتقام کا جذبہ وہاں بہادری و عظمت کی دلیل تھی۔

لیکن ایسا ہوتا تو پھر اس پیغام صلاح و فلاح کے علمبردار محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقیقت کیا رہ جاتی؟

وہ تو امن و صلح اور آشتی و عفو و درگزر کا نقیب بن کر مبعوث ہوا تھا اس لیے اس نے ایسا راستہ اختیار کیا جو بقول کسے

بہیمیت اور شیطانیت پر انسانیت کی فتح کا راستہ تھا[14]

یاد ہوگا کہ اُس وقت اُس نبی رحمت اور رسول انسانیت نے ۲۰، ۲۱ برس تک ستانے والوں اور پریشان کرنے والوں کو کیا کہا تھا؟ وہ لوگ بے شک ڈرے ہوئے اور سہمے ہوئے تھے لیکن کتابی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے اخلاق کریمانہ کی توقع بھی اپنے دل میں رکھتے تھے۔ چنانچہ سب کو جمع کر کے آپؐ

نے فرمایا

لاتثریب علیکم الیوم اذھبو ا فانتم الطلقأ

آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔[۱۵]

گویا آپؐ نے اپنے عزیز بھائی سیّدنا یوسف علیہ الصلاۃ والتسلیم کے الفاظ مستعار لے کر عفو و درگزر کا اعلان کیا انہوں نے حقیقی بھائیوں کے سالہا سال ستم برداشت کرنے کے بعد۔ اُس وقت جب وہ ملزموں کے سے انداز میں شاہ مصر کے سامنے کھڑے تھے اور شاہ مصر (یوسف عزیز علیہ السلام) چاہتے تو ایک نگاہ اٹھا کر ان کا کام تمام کروا سکتے تھے لیکن نہیں، انہوں نے کہا تو یہ کہا کہ

آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔[۱۶]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتقام لینا مشکل نہ تھا۔ جاں نثاروں کا بڑا گروہ ساتھ تھا۔ قریش گرفت میں تھے اور سالہا سال کی پریشانیوں کے بعد ایسا کرنے پر شاید آنے والا مورخ بھی آپؐ کو حق بجانب ہی کہتا لیکن فائدہ کیا ہوتا؟

کیا آپؐ کے جو پیارے شہادت سے سرخرو ہو چکے تھے وہ واپس آ جاتے؟ زخم مندمل ہو جاتے؟ اہل مکہ کی جائیداوں پر قبضہ سے آپؐ کے احباب کے نقصانات کی تلافی ہو جاتی۔ شاید ہو بھی جاتی لیکن آپؐ جائیداد کی تلافی کے لیے نہیں۔ دلوں کو فتح کرنے کے لیے تشریف لائے تھے کیونکہ

دلوں کو جو فتح کرلے، وہی فاتح زمانہ

چنانچہ یہی ہوا کہ ’’صدائے لاتثریب‘‘ کے الفاظ کی گونج ابھی باقی تھی کہ اہل مکہ کے دل پگھل گئے اور ’’الصادق الامین‘‘ کہنے والے اب آپؐ کے عفو و درگذر کے بھی معترف ہو کر بندگان بے دام بن گئے۔

دنیا نے اس واقعہ کے بعد کئی انقلاب دیکھے لیکن افسوس کہ کسی آئزن ہاور کسی اسٹالن اور کسی خمینی کو سمع و طاعت کے بھرپور جذبات کے ساتھ اس سنت مصطفوی پر عمل کی توفیق نہ ہوئی۔ ورنہ یہ دنیا امن و چین کا گہوارہ بن جاتی اور جنگ کی لعنت سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل ہو جاتی۔

آج چاروں طرف امن و آشتی کے جھوٹے نعرے تو ہیں لیکن فلسطین، افغانستان، ویت نام، جنوبی افریقہ اور کہاں کہاں ظلم کی گرمی بازاری ہے اور کون کر رہے ہیں وہی جو امن کے ٹھیکیدار اور اجارہ دار ہیں، جن کے منہ کو انسانیت کا خون لگ چکا ہے اور جو بھیڑ نما بھیڑیے ہیں جو اپنے اسلحہ کے کارخانوں کی چمنیاں گرم رکھنے کے لیے اپنی بدبختیوں سے باز نہیں آتے۔ جو اپنے سے اختلاف رکھنے والے ممالک کے طیاروں کو مار گرانا اور غریب مسافروں کی زندگی سے کھیلنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور پھر اس پر لطف یہ کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ انہوں نے تلوار کے زور سے کام چلایا **سبحانك هذا بهتان عظيم**

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ایک اور بڑی سنگین خرابی جو نظر آتی ہے، وہ ہے مقصد و تصور حیات کے سلسلہ میں انسان کی بے اعتدالی اور افراط و تفریط۔

مثلاً اس دور کا ایک اہم مذہبی اسکول ''بدھ مت'' تھا جس نے نفس و روح کے تزکیہ پر انسان کو اس طرح مرتکز کر دیا تھا کہ ان کے نظام میں خالق و مالک کی کوئی جگہ اور ضرورت ہی باقی نہ رہ گئی تھی اور حال یہ تھا کہ انسان دوررس مقصد کے بغیر اپنے فطری قوی کے استعمال و استفادہ سے محروم کر دیا گیا تھا۔

عیسائیت تھی تو اس کا حال یہ تھا کہ ''پہاڑی کا وعظ'' جو سراسر رحم و محبت کا وعظ ہے۔ ایک طرف تو اس کا شہرہ تھا دوسری طرف یہ کہا جاتا تھا کہ

قیصر کی چیزیں قیصر کو اور خدا کی چیزیں خدا کو دیدو

اس سے شرک کا تصور لازم تو آتا ہی تھا، سیاست و مذہب کی دائمی جدائی بھی پیدا ہو گئی تھی جس کے نتیجہ میں سیاست کو اخلاق سے الگ کر دیا گیا اور یہ باور کرایا گیا کہ گویا سیاست کو اخلاق کی ضرورت ہی نہیں۔

جب اخلاقی قدریں اس طرح ملیا میٹ ہو جائیں تو صاحب اقتدار جیسا بے رحم، ظالم اور سفاک ہو جائے گا اس کے لیے کسی فلسفہ کے بھگارنے کی ضرورت نہیں۔

مذہب عوام کا پرائیویٹ معاملہ بن کر رہ گیا تو ایک بادشاہ عجیب کشمکش کا شکار ہو گیا۔ اسے بیک وقت بادشاہی سے وفادار رہنا پڑتا تھا تو کلیسا کے مفادات میں تصادم کی صورت میں راسخ العقیدگی بھی اختیار کرنا پڑی اب سوچیں کہ ایک شخص سپاہی اور فوجی ہے تو وہ پہاڑی کے وعظ پر کس طرح عمل کرے گا اور ہر شخص راہب بن جائے تو نسل انسانی کی بقا کا کیا بنے گا؟

الغرض افراط و تفریط کا یہ حال تھا کہ کوئی مذہب دنیا سے کنارہ کشی کا حکم دیتا تو کوئی دنیوی مفادات میں سرمست ہونے کو ہی زندگی کا مقصد قرار دیتا۔

اسلام نے ایسا تصور حیات دیا جس میں ''ظواہر دنیا'' میں بھرپور جد و جہد کے ساتھ ''عقبیٰ'' نگاہوں سے اوجھل نہ ہو تلاش کیجیے۔ دنیا بھر کے نوشتوں میں، یہ بات آپ کو کہیں نظر آتی ہے؟

> بعض لوگ یہ کہتے ہیں، اے ربّ ہمارے ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی کمائی کا حصہ ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ لے

یہ تصور حیات دیا اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کے ذریعہ کہ دنیا بھی بھلی اور آخرت بھی بھلی۔ ہم دنیا بھر کی مخلوق سے استفادہ کریں لیکن خود اللہ تعالیٰ کے لیے وقف رہیں۔ دنیا میں بھرپور طریق سے رہ کر دنیا سے کنارہ کش۔

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

بعثت نبوی کے وقت جو غلط افکار انسان کا سرمایہ حیات تھے ان میں ایک بات یہ تھی کہ مذہبی تعصب اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ ہر طبقہ نجات کا اجارہ دار تھا اور ستم یہ کہ ہر دوسرے کے لیے مذہب کا دروازہ بند کر رکھا تھا۔

یہودی اس ہٹ دھرمی کا شکار تھے کہ مذہب نسل میں محدود ہے اور یہی بات ہندوستان میں تھی بلکہ آج کی انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب یہ قول دہراتی ہے کہ

> میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے
> آیا ہوں مجھے باقی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔

اس پر مستزاد یہ ہے کہ ”عمل“ کا خانہ ہر جگہ خالی تھا خیال یہی تھا کہ کسی مذہبی گروہ میں داخل ہونا ہی سب سے بڑا عمل ہے۔ یہ قرآن کا معاملہ ہے کہ اس نے ”آمنوا“ کے ساتھ ”عملوا الصالحات“ کا بتکرار ذکر کیا۔ اتنی مرتبہ کہ شاید کوئی بات اتنی مرتبہ نہ دہرائی گئی ہو۔

نسل اور پیدائشی مذاہب کے متعلق صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ:

> جب صور پھونکا جائے گا تو اُس دن میں نہ رشتہ داریاں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا (بلکہ کامیاب کون ہو گا) پھر جن کا پلہ بھاری ہوا (اعمال خیر کا پلڑا) تو وہی فلاح پائیں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہو گا تو وہی یہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنا نقصان کیا، ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہوں گے۔[۱۸]

گویا مرشد جامی کے الفاظ میں

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ساتھ ہی پیغمبر اسلام نے وحدت انسانیت کی طرح وحدت نبوت و رسالت کا سبق پڑھایا اور مختلف طبقوں اور مذہبی تعصبات میں بٹی ہوئی انسانیت کو باور کرایا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت یہ رہا ہے کہ ”کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی ہادی نہ آیا ہو۔“[۱۹]

قرآن کریم نے بتلایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں کہ بعض کو مانتے اور بعض کو نہیں مانتے ان کی گمراہی ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے حقیقی مومن اور راست رو وہ ہیں جو ایمان باللہ کے ساتھ سب رسولوں کو مانتے اور ان میں تفریق نہیں کرتے۔[۲۰]

رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا سے وداعی سفر فرمانے سے تین سال قبل دنیا کے عیسائی حکمرانوں کو جو دعوتی خطوط لکھے ان میں اس آیت کا بطور خاص حوالہ دیا:

> اے اہل کتاب! ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان برابر (قدر مشترک) ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی کسی کو رب نہ بنائے۔[۲۱]

قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس نے اپنے متعلق واضح کیا کہ وہ پہلی کتابوں کی مصدق اور ان کے مضامین کی ”المہیمن“ نگہبان ہے۔[۲۲]

پھر قرآن عزیز میں دو مقام پر آیت تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ ارشاد فرمائی گئی جس میں ہر اس انسان کے لیے جزا بخشش اجر عظیم اور خوف و حزن سے اطمینان کا وعدہ ہے جو ایمان و عمل صالح کی دولت سے مالا مال ہو۔[۲۳]

بعثت نبوی کے وقت اور اس سے پہلے جن مسائل نے انسانی معاشرہ کو مبتلائے مصیبت کر رکھا تھا ان میں ایک مسئلہ دولت و افلاس کا تھا جس نے بڑی ہی

بہر حال یہ ایسے اشارات تھے جن کا ذکر اس لیے ضروری تھا کہ اسلام جو انسانیت اور صلاح و فلاح کا دین ہے، اس کے نزول کے وقت دنیا کس جہنم کدہ میں پڑی بھسم ہو رہی تھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے قرآن عزیز کے ساتھ ساتھ اس کی تبیین کے طور پر انسانیت کو جو کچھ دیا اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرما لیں تا کہ چند نکات ذہن میں جم جائیں۔

جمعہ ذی الحجہ ۱۰ھ کو جبل الرحمۃ پر سے میدان عرفات کے ڈیڑھ لاکھ حاضرین کو حجۃ الوداع کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے جو خطاب فرمایا تھا اسے تاریخ نے خوش قسمتی سے محفوظ رکھا ہے۔ اس خطاب کو انسانیت کا منشور اعظم کہا جا سکتا ہے۔ اسکا ترجمہ یہ ہے:

۱۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے مدد چاہتے ہیں اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ اسی کے پاس توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی کے ہاں اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے تو پھر کوئی اُسے بھٹکا نہیں سکتا۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو پھر کوئی اُس کو ہدایت پر نہیں لگا سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اُس کا بندہ اور رسول ہے۔

۲۔ اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر پُرزور طور پر آمادہ کرتا ہوں۔ اور میں اسی سے ابتدا کرنا چاہتا ہوں، جو بھلائی ہے۔

۳۔ اما بعد۔ لوگو! مجھ سے سنو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کیونکہ میں نہیں جانتا، شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے پھر نہ مل سکوں۔

۴۔ لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے لیے (ایک

دوسرے پر) اپنے رب سے ملنے (قیامت) تک حرام ہیں۔ ایسے ہی حرام و محترم جیسے تمہارے آج کے دن، آج کے مہینے اور شہر کی حرمت ہے ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۵۔ جس کے پاس کوئی امانت ہو تو وہ اس کو ادا کر دے جس نے وہ اس کے پاس امانت رکھائی۔

۶۔ خبردار۔ جاہلیت کا سود گرایا جاتا ہے۔ البتہ تمہارے لیے راس المال پر حق ہو گا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ کوئی سود نہ رہنے پائے۔ اور پہلا سود جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔

۷۔ خبردار! جاہلیت کے خون گرا دیے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں (اس کی) ابتدا کرتا ہوں وہ (میرے چچا زاد بھائی کے بیٹے) عامر بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا ہے۔

۸۔ خبردار! جاہلیت کے آثار و عہدے گرا دیے جاتے ہیں۔ بجز (خانہ کعبہ کی) رکھوالی اور (حُجاج کو) پانی پلانے کے۔

۹۔ قتل عمد پر قصاص ہے۔ مشابہ عمد وہ ہے جس میں لٹھ اور پتھر سے موت واقع ہو۔ اس میں سو اونٹ (خون بہا ہیں) جو اس میں زیادتی (کا مطالعہ) کرے تو وہ جاہلیت والا ہے۔ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۱۰۔ لوگو! شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اُس کی پوجا ہو۔ لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو اس لیے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔

۱۱۔ لوگو! سال کی کبیسہ گری کفر میں ایک زیادتی ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ

اس کے باعث بہکائے جا رہے ہیں۔ وہ اسے ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور اسے ایک سال حرام کر لیتے ہیں تا کہ اس کی تعداد کا تکملہ کر لیں جو خدا نے حرام کر رکھی ہے اس طرح وہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال کر لیتے ہیں۔ اور خدا کی حلال کردہ چیز کو حرام۔ حقیقت میں اب زمانہ چکر لگا کر پھر اسی شکل میں آ گیا ہے جیسا کہ خدا کے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے دن تھا۔ بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے پاس اللہ کی کتاب میں اس کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے ہی کے دن بارہ مہینے لکھی ہے۔ ان میں سے چار حرام ہیں۔ تین پے در پے اور ایک تنہا: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور (قبائل) مضر کا رجب جو کہ جمادی (الآخرہ) اور شعبان کے بیچ میں ہے۔ کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔

۱۲۔ لوگو! تمہاری عورتوں کے لیے تمہارے اوپر ایک حق ہے۔ اور تمہارے لیے ان کے اوپر یہ کہ تمہارے سوا کسی اور سے نہ روندوائیں اور تمہارے گھروں میں تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے کو داخل نہ ہونے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اور کوئی بُرے فحش کام کا ارتکاب نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم ان پر سختی کرو۔ ان کے ساتھ سونا بند کرو۔ یا ان کو غیر شدید ضرب پہنچاؤ۔ اگر وہ باز آ جائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم پر ان کا اچھے دستور سے کھلانا اور پہنانا لازم ہے۔ عورتوں کے متعلق بھلائی کی تمہیں تاکید ہے کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی کی سی ہوتی ہیں اور اپنے لیے کسی چیز کی مالک نہیں ہوتیں اور تم ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیتے اور اللہ کے بول پر ان سے تمتع اپنے لیے حلال کرتے ہو اس لیے عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان سے بھلائی کی تمہیں تاکید ہے۔ ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

میں اسی نکتہ کو حرف آخر بنا کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ہمارے معاشرے میں آج کسی ایک فرد کی بھی سوچ ہے؟

میر و وزیر سے لے کر مولوی و پیر تک ہر شخص اسلام کی من مانی تعبیرات کرتا اور تاریخ اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کی فکر میں ہے۔ جس معاشرہ میں ایک محدود طبقہ وسائل رزق پر قابض ہو، حکومت، سیاست، صحافت اور عدالت پر اس کا تصرف ہو، اس کی رہائش کے لیے محل نما کوٹھیاں ہوں، اس کی سواری کے لیے نئے نئے ماڈل کی گاڑیاں ہوں، اس کے بچوں کے لیے ایچی سن ٹائپ کالج و اسکول ہوں وہ اپنی دولت سے سند، ڈگری اور سب کچھ خرید سکے۔ اسمبلی و سینٹ تک پہنچ سکے، روزانہ اخبار میں اپنی تصویر اور اپنی سرگرمیوں کی خبر چھپوا سکے اس معاشرہ کو اسلامی معاشرہ کہنا اسلام کی سب سے بڑی توہین ہے۔ اور اس سے بڑھ کر جھوٹ اور منافقت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ فلاحی معاشرہ تب ہی قائم ہو گا جب توحید ربانی کی طرح ‘‘وحدت انسانی’’ کا تصور حقیقت کا روپ دھار لے گا۔ جب ہر شخص عدالت سے رجوع کر کے بڑے سے بڑے سے اپنا حق لے سکے گا اور کوئی فرد بشر عدالت کی حاضری سے مستثنیٰ نہ ہو گا، جب سہگل، اتفاق کالونی کے مالکان اور سندھ و پنجاب اور سرحد و بلوچستان کے وڈیرے، جاگیردار، خوانین اور سردار ہی نہیں، ایک عام شہری بھی الیکشن میں حصہ لینے کا حوصلہ اپنے اندر پائے گا۔ جب ہر شخص کو مناسب لباس، مناسب مکان، تعلیمی وسائل حاصل ہوں گے، اپنی بچی کو گھر سے رخصت کرنے میں کسی کو کوئی پریشانی نہ ہو گی۔ استاذ کو اس کا حق ملے گا اور وہ صحیح معنوں میں استاذ ہو گا۔ دیہات کا ہاری محنت کا صحیح معاوضہ حاصل کر سکے گا اور کارخانے کا مزدور ٹی۔ بی کا شکار ہو کر اپنے بچوں کو داغ یتیمی اور بیوی کو بیوگی کا داغ دے کر رخصت نہ ہو جائے گا اس وقت تک معاشرہ نہ اسلامی ہے نہ فلاحی نہ انسانی۔

دراصل ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم علامہ اقبال کے بقول ''مظلوم اسلام'' کا اپنی ضروریات کے لیے استحصال تو کرتے ہیں۔ مثلاً الیکشن آ گیا تو اسلام کی دھائی وغیرہ ذالک۔ لیکن اسلام کے ابدی اور سرمدی اصولوں پر عمل نہیں کرتے۔ پارٹی بازی، تفرقہ بازی، فرقہ واریت ہماری گھٹی میں پڑ چکی ہے، انسان انسانوں کی شکل میں بھیڑیے بن چکے ہیں، معاشرہ میں غریب کی آبرو لٹ جائے تو تھانہ میں اسی کا مذاق اڑا کر اسی کو لاک اپ میں بند کر دیا جاتا ہے۔ جیلوں کا عجیب احمقانہ نظام ہمارے سر پر مسلط ہے جس کے سبب ''ملزم'' عادی مجرم بن جاتا ہے، ہماری تعلیمی درسگاہیں کلاشنکوف کلچر اور ہیروئن فروشی کے اڈے ہیں۔ جس ملک کے اعلیٰ عہدیدار ہیروئن کے عالمی اسمگلر اور ''کنگ'' ہوں بھلا بتائیں اس ملک کے عام شہریوں کا کیا حال ہوگا؟

اس لیے ہم نے بڑے درد دل کے ساتھ اس موضوع پر قلم اٹھایا اور سب سے زیادہ انحصار اب کی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے آخری کلام۔ قرآن مجید وفرقان حمید پر رکھی کہ جس ذات اقدس پر یہ قرآن اترا، اس کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے عروج وزوال کو قرآن سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔

اصول سیدھے سادے ہیں۔ بنیادیں صاف ہیں، ضرورت صرف اور صرف عمل کی ہے جس سے مسلمانوں کی اکثریت محروم ہے اور جو جتنا بڑا ہے وہ اتنا ہی محروم ہے۔ غنی کاشمیری کا شعر ہے

گربہ میر وسگ وزیر وموش را دیواں کنند
ایں چنیں ارباب دولت ملک را دیواں کنند

اگر ہم حضرات خلفاء راشدین سیّدنا ابوبکر، سیّدنا عمر، سیّدنا عثمان، سیّدنا علی، سیّدنا حسن اور سیّدنا معاویہ سلام اللہ تعالیٰ علیہم ورضوانہ کے دور کو واپس نہیں لا سکتے (جبکہ ہے یہ غلط واپسی ممکن ہے اور ضرور۔ کیونکہ اسلام قیامت تک کے لیے ہے)

تو کیا اورنگ زیب عالمگیر اور ٹیپو سلطان کا دور بھی واپس نہیں آ سکتا؟

ہمیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ ظلم و زیادتی کی بنیاد پر کوئی معاشرہ زیادہ دیر نہیں چل سکتا۔ پاکستان ہماری ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کی نہیں۔ وہ اپنے کلمہ کی بلندی کا کام کسی سے لے سکتا ہے، لیکن تاریخ میں بارہا کعبہ کو صنم خانے سے پاسبان ملے ہیں۔ اب بھی ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس ملک کی بقا کا انحصار ہمارے اجتماعی رویوں پر ہے اور بہتری اسی شکل میں ممکن ہے کہ:

در جہاں محتاجِ کس باشد نہ کس
نکتہ شرعِ مبیں، این است و بس

کی نصیحت پر ہم عمل کر لیں

ایں دعاء زمن واز جملہ جہاں آمین باد

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

حواشی

۱ البقرہ: آیت: ۱۳۱۔۱۳۲ ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری ص ۳۰ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء

۲ المائدہ: آیت: ۳ ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری ص ۱۷۰

۳ البقرہ: آیت: ۱۲۸ ترجمہ ۔ایضاً۔

۴ الحج: آیت: ۷۷۔۷۸ ترجمہ ۔ایضاً۔

۵ آل عمران: آیت: ۱۹

۶ النحل: آیت: ۴۴ ترجمہ مولانا لاہوری

۷ روایت مولانا عبید اللہ انور مرحوم خادم خاص مولانا سندھی۔ جو احقر نے ذاتی طور پر سنی۔

۸ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۳۸۸۔۳۸۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

۹ الروم: آیت: ۴۳

۱۰ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۳۸۹۔۳۹۰

۱۱ الحجرات: آیت: ۱۳

۱۲ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۲۹۰

۱۳ الانفال: آیت: ۳۰

۱۴ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۹۳

۱۵ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص ۲۹۲

۱۶ یوسف: آیت: ۹۲

۱۷ البقرہ: آیت: ۲۰۱۔۲۰۲

۱۸ المومنون: آیت: ۱۰۱۔۱۰۳

۱۹ الرعد: آیت: ۷

۲۰ النساء: آیت: ۱۵۰۔۱۵۲

۲۱ آل عمران: آیت: ۶۴

۲۲ المائدہ: آیت: ۴۸

۲۳ البقرہ: آیت ۶۲ المائدہ: آیت: ۶۹

۲۴ الحشر: آیت: ۷

۲۵ البقرہ: آیت: ۲۷۸۔۲۷۹

۲۶ یہ درحقیقت حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا وہ خطبہ ہے جو آپؐ نے اپنے پہلے اور آخری حج کے موقع پر ارشاد فرمایا: یہ خطبہ **اُوتیتُ جوامع الکلم** کا شاہکار ہے کہ چند سطروں میں عقائد سے لے کر اخلاق تک کی تعلیم آپؐ نے ارشاد فرمادی اس کے عربی متن کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

جاحظ: البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۴۔۲۵

تاریخ الیعقوبی ج ۲ ص ۱۳۲۔۱۳۳

تاریخ طبری حصہ سیرت ص ۵۳۔۵۵

اردو نقل و اخذ از سیرت رسول اکرم ﷺ ص ۳۰۲۔۳۰۵

یوں اس کے متفرق ٹکڑے حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہیں اور حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول اس کی تحریری نقل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حضرت ابوشاہ کو مرحمت فرمائی۔

۲۷؎ القصص: آیات: ۷۶ تا ۸۳

۲۸؎ یاد رہے کہ اہل علم بھی دو طرح کے ہیں ایک وہ جنہیں علم نافع کی دولت سے نوازا گیا ہو دوسرے وہ جو ایسے علم کے علمبردار ہوں جو نافع نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار چیزوں سے پناہ مانگی ان میں پہلی چیز یہی ہے۔

''وہ علم جو نفع نہ دے''

مشکوۃ ج ۲ ص ۷۰۶ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۵ م ۱۹۸۵

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہر نماز کے آخر میں جن چیزوں کی دعائیں مانگتے ان میں یہ بھی ہوتا۔

''کہ میں علم نافع کا سوال کرتا ہوں''

مشکوۃ ج ۲ ص ۷۰۷

''علم نافع'' کی دولت جنہیں میسر آجاتی ہے انہی کے لیے قرآن عزیز میں تعریفی تذکرہ ہے۔

المجادلہ: آیت: ۱۱

الزمر: آیت: ۹

الفاطر: آیت: ۲۸

قارون کی مغرورانہ روش پر ایسے ہی اہل علم نے منہ موڑ کر کم عقلوں کو سمجھانے کی کوشش کی ورنہ

؎ برعکس نہند نام زنگی کافور

کے مصداق ''اہل علم'' ہر دور میں موجود رہے ہیں جنہوں نے سرمایہ پرستوں کا دم گھوکر ان کے ظالمانہ رویوں کو تحسین کی اور یوں مجرمانہ حماقتوں کا مظاہرہ۔ اور آج بھی ایسے احمقوں کی کمی نہیں۔

۲۹؎ تفسیر عثمانی۔ تلخیص ص ۵۱۰ تا ۵۱۲ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۸ء

۳۰؎ متی باب ۱۹: ۱۔۳۰ بحوالہ ''تدبر قرآن'' از مولانا امین احسن اصلاحی ج ۴ ص ۸۳۹ مطبوعہ لاہور ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

۳۱؎ تدبر قرآن ج ۴ ص ۸۳۹

۳۲؎ تدبر قرآن ج ۴ ص ۸۴۰

۳۳؎ تدبر قرآن ج ۴ ص ۸۴۴

۳۴؎ متی باب ۱۶: ۲۸۔۳۴۔ بحوالہ ''تدبر قرآن'' ج ۴ ص ۸۴۴

۳۵؎ ''تدبر قرآن'' ج ۴ ص ۸۴۵۔۸۴۶

۳۶؎ الانعام: آیت: ۵۹

۳۷؎ کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج ۷ ص ۳۴۴۔۳۴۴ مطبوعہ تہران ۱۴۰۱ھ

۳۸؎ ایضاً: ص ۳۴۵

۳۹؎ ابن کثیر ج ۳ ص ۳۹۹ مطبوعہ سہیل اکاڈمی لاہور ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء

۴۰؎ تفسیر کبیر ج ۲۵ ص ۱۲ مطبوعہ ایران

۴۱؎ کشاف ج ۳ ص ۱۹۰۔ ۱۹۱ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت

۴۲؎ قرطبی ج ۱۳ ص ۳۱۱

۴۳؎ قرطبی ج ۱۳ ص ۳۱۵

۴۴؎ ہود: آیت: ۱۰۲

۴۵؎ مشکوۃ ج ۳ ص ۱۳۱۷

۴۶؎ التوبہ: آیات: ۳۴۔ ۳۵

۴۷؎ المائدہ: ۶۲۔ ۶۳

۴۸؎ آل عمران: ۷۵

۴۹؎ التوبہ: آیت: ۶۷

۵۰؎ **آیۃ المنافق ثلاث۔ واذا اؤتمن خان** : مشکوۃ ج ۱ ص ۲۳

۵۱؎ تدبر قرآن ج ۳ ص ۱۵۵۔ ۱۵۶ (تلخیص)

۵۲؎ تدبر قرآن ج ۳ ص ۱۵۶۔ ۱۵۷ (تلخیص)

۵۳؎ تدبر قرآن ج ۳ ص ۱۵۷

۵۴؎ النساء: آیت: ۱

۵۵؎ الحجرات: آیت: ۱۰

۵۶؎ کشف الاسرار وعدۃ الابرار ج ۴ ص ۱۳۶

وھکذا فی ابن کثیر ج ۲ ص ۳۵۱

۵۷؎ تفسیر کبیر ج ۱۵ ص ۴۴

۵۸؎ القرطبی ج ۸ ص ۱۲۵

اور ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا کہ کنز وہ ہے جو انسان کی جائز ضروریات سے زائد ہو۔

۵۹؎ قرطبی ج ۸ ص ۱۲۷

۶۰؎ البقرہ: آیت: ۱۷۷

۶۱؎ احکام القرآن ج ۳ ص ۱۰۲۔ ۱۰۵ مطبوعہ سہیل اکادمی لاہور

۶۲؎ المنار ج ۱۰ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت

۶۳؎ ترجمان القرآن ج ۳ ص ۲۰۲۔ ۲۰۹ (تلخیص)

۶۴؎ البقرہ: ۲۱

۶۵؎ البقرہ: ۲۶۸

۶۶؎ البقرہ: ۲۷۵۔ ۲۷۶، ۲۷۸۔ ۲۷۹

۶۷؎ آل عمران: ۱۳۰۔ ۱۳۱

۶۸؎ آل عمران: ۱۸۰

۶۹؎ النساء: ۱۰

۷۰؎ النساء: ۲۹۔ البقرہ آیت ۱۸۸ میں ہے

اور ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور انھیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ (رشوت) تاکہ لوگوں کے مال کا

۱۰۴؎ المحلی ج ۶ ص ۱۵۸

۱۰۵؎ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۶ (حاشیہ) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء

۱۰۶؎ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۵۱

۱۰۷؎ الجمعہ: ۹۔۱۰

۱۰۸؎ سورۂ حشر: ۷

۱۰۹؎ الانبیاء: ۷۳

۱۱۰؎ المنافقون: ۹۔ البقرہ: ۱۹۵

۱۱۱؎ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۵۳۔۵۴

۱۱۲؎ المعارج: ۲۴۔۲۵

۱۱۳؎ الدہر: ۸۔۹، البقرہ: ۱۷۷، البقرہ: ۲۶۲، البقرہ: ۲۶۵

۱۱۴؎ آل عمران: ۹۲

۱۱۵؎ حاشیہ مولانا احمد علی لاہوری ص ۹۷

۱۱۶؎ ترجمان القرآن ج ۲ ص ۳۳۳ مطبوعہ دہلی

۱۱۷؎ تدبر قرآن ج ۱ ص ۷۳۳۔۷۳۵

۱۱۸؎ البقرہ: ۲۱۹ حواشی مولانا لاہوری ص ۵۳

۱۱۹؎ ترجمان القرآن ج ۲ ص ۱۷۷

۱۲۰؎ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵۶

۱۲۱؎ قرطبی ج ۳ ص ۶۱۔۶۲

۱۲۲؎ مولانا اخلاق حسین قاسمی مہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی کی تحریر جو احقر کے پاس ہے۔

۱۲۳؎ کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۶۶

۱۲۴؎ الاسلام والحضارة العربیہ ج ۲ ص ۱۳۱

۱۲۵؎ ایضاً ص ۱۳۸

۱۲۶؎ کتاب الخراج لابی یوسفؒ ص ۴۷

۱۲۷؎ اشہر مشاہیر الاسلام ج ۲ ص ۲۹۸

۱۲۸؎ ایضاً ج ۲ ص ۷۵۱

۱۲۹؎ ایضاً ج ۲ ص ۲۵۱

۱۳۰؎ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۰۴

۱۳۱؎ ترجمان القرآن ج ۲

۱۳۲؎ کتاب الاموال لابی عبیدؒ ص ۲۲۷

۱۳۳؎ کتاب الاموال ص ۶۰۶

اس کے علاوہ ص ۲۲۷، ص ۶۰۶۔ کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۸۶۔۱۸۷

اور حجۃ اللہ البالغہ للشاہ ولی اللہؒ کے متعلقہ ابواب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۴؎ تفصیلاً: کتاب الاموال ص ۱۶۵۔۱۶۸

۱۳۵؎ مسلم کتاب الزکوٰۃ۔ مزید تفصیلات کتاب الاموال ص ۳۳۶۔۳۴۷۔۳۴۸

WWW.IqbalCyberLibrary
All rights reserved.
©2002-2006

ورص ۲۳۳۔۲۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۶۔ تفصیل کے لیے: طبری ج ۴ ص ۲۵۴۔۲۵۶۔ شامی جلد ۴ ص ۳۲۵۔ کتاب الام للامام الشافعی ج ۴: ص ۱۷۷۔ فتوح البلدان ص ۲۹۹۔ کتاب الخراج ص ۱۲۶۔۱۲۴۔۳۷ بدائع الصنائع ج ۴ ص ۳۸

۱۳۷۔ کتاب الخراج ص ۴۲ کتاب الاموال ص ۲۶۳

❖ ❖ ❖

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

اقتصادی مسئلہ کا حل

قرآن وسنّت اور فقہ اسلامی کی رُو سے

ماضی میں ''الحجر'' کے عنوان سے احقر نے ایک طویل مقالہ سپردِ قلم کیا تھا، گوکہ ''الحجر'' ایک خالص فقہی اصطلاح ہے لیکن دراصل اس کا بنیادی مقصد ایک انسان کو معاش کے مختلف پہلوؤں سے اس دائرہ میں رکھنا ہے جو دائرہ اللہ رب العزت نے اپنے آخری رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کی وساطت سے تجویز فرمایا خود رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ''حجر'' کے متعلق جو ارشاد فرمایا اور اس ضمن میں ائمہ مجتہدین اور علماء اجتماع نے ابحاث سپردِ قلم کیں، ان پر عمل پیرا ہو کر امت افراط وتفریط سے محفوظ ہوسکتی ہے اور اس کا ہر فرد معاشی طور پر پرسکون زندگی گزار سکتا ہے۔

چنانچہ ''الحجر'' کے بعد یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ''اسلام کے تصور ملکیت پر گفتگو کی جائے تاکہ مادر پدر آزادی کی آڑ میں وسائل رزق پر قبضہ داری رکھنے والے طبقہ

کی اصلاح ہو سکے تو دوسری طرف ستم رسیدہ طبقہ کو احساس ہو سکے کہ اس کی محرومیوں کا سبب اسلام کا نظام عدل نہیں بلکہ وہ استحصالی طبقہ ہے جس نے وسائل رزق پر قبضہ جما رکھا ہے یا وہ مذہبی گروہ ہیں جو ایسے طبقات کی سرپرستی کرتے ہیں اس اہمیت کے اعتبار سے چونکہ یہ موضوع بہت نازک اور توجہ طلب ہے اس لیے اسے مؤخر کر کے آج کی صحبت میں ان اصولی ہدایات پر گفتگو کی جا رہی ہے جو خالص معاش و اقتصاد کے حوالہ سے اسلام نے دیں اور جو محض تھیوری یا فلسفہ نہیں بلکہ اپنے سنہری دور میں عملی طور پر سامنے آ کر اپنی افادیت معاشرہ سے منوا چکی ہیں۔

ایک مفکر کے بقول ’’آج دو متوازی نظام ہائے تعلیم جو ہمارے سامنے ہیں وہ دونوں ہی ہماری اجتماعی ضروریات کے لیے ناکافی ہیں۔ ایک نے ہمیں محض بندۂ ہوس بنا دیا ہے تو دوسرے نے اس دنیا سے لاتعلق ہو کر راہبانہ زندگی کا ہمیں عادی بنا دیا ہے حالانکہ اسلام ”أتنا فی الدین حسنة و فی الاخرة حسنة“ کا علمبردار ہے۔

ہمارے یہاں ’’فقہ‘‘ کے مخصوص ابواب پڑھائے جاتے ہیں جن کے بعد چند مسائل پر سر پھٹول کے لیے ہم خوب تیار ہو جاتے ہیں اور بس۔ جبکہ اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جو فقہی سرمایہ ہمارے لیے چھوڑا اس میں زندگی کے جملہ مسائل کے لیے وسیع رہنمائی موجود ہے۔

دکھ یہ ہے کہ آزادی کے بعد بھی تعلیمی طور پر ہمارا قبلہ درست نہ ہو سکا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کالجز اور جامعات سے لے کر قدیم طرز کے مدارس تک وہی صورت حال ہے جو ۱۹۴۷ء سے پہلے تھی۔

بہر طور ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس عظیم عالم کے ایک اقتباس سے گفتگو شروع کریں جس کا نام امام ولی اللہ دہلوی ہے بقول مولانا شبلی نعمانی مرحوم غزالی، ابن

تیمیہ اور ابن رشد کے بعد مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پیدا ہونے والی شخصیت، جو تنہا سب پر بازی لے گئی وہ شاہ ولی اللہ کی ہے اسلام کے فلسفہ پر شاہ صاحب کی عدیم النظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے دونوں حصوں کے مختلف ابواب سے ملخص پیش کیا جا رہا ہے اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام ایک ''صالح معاشی نظام'' کا علمبردار ہے ایسا نظام جو اپنی علیحدہ کوئی زندگی نہیں رکھتا بلکہ زندگی کے دوسرے وسیلوں، مسائل اور نظام کی طرح قرآن عزیز کا ایک جزو ہی ہے ___ یہ جزو ایسا ہے کہ اسلام کے اخلاقی اور مذہبی سسٹم سے اس کا گہرا تعلق ہے اور ایک کے بغیر دوسرے کا تصور بھی ممکن نہیں۔

ساتھ ہی اس کا بھی اندازہ ہو سکے گا کہ جناب رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو دنیا کے حالات بعینہٖ ایسے تھے جیسے آج ہیں، ظلم، استحصال، طبقاتی کشمکش اور بے راہ روی نے انسانیت کو اپنے خونی پنجوں میں جکڑا ہوا تھا اور سچے رب کی آقائی و معبودیت کی جگہ مختلف انواع جھوٹے آقا انسانیت کا ہر نوع استحصال کر رہے تھے تو غضب الٰہی نے بھڑک کر اس صورت حال کی اصلاح کا پروگرام بنایا اور ''ایک رسول امی'' کو مبعوث فرما کر انسانیت کی فلاح کی تدبیر کی حتیٰ کہ لوگ دوسروں کی غلامی سے آزاد ہو کر سچے رب کی غلامی میں آ گئے اور سکھ چین کی زندگی بسر کرنے لگے ___ اقتباسات طویل ضرور ہیں لیکن بہت اہم ہیں اس لیے انہیں توجہ سے ملاحظہ فرمائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جاہلیت قدیمہ اور جاہلیت جدیدہ کس طرح یکساں ہیں اور یہ کہ اس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی غرض سے اسی رسول امی کی ہدایت کو حرز جاں بنانا پڑے گا۔

جب پارسیوں اور رومیوں کو حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور دنیوی تعیش کو انہوں نے اپنی زندگی بنا لیا اور آخرت تک کو بھلا دیا اور شیطان نے ان پر غلبہ کر لیا تو اب ان کی تمام زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی کے اسباب میں

منہمک ہو گئے اور ان میں ہر شخص سرمایہ داری اور تمول پر فخر کرنے اور اترانے لگا۔ یہ دیکھ کر دنیا کے مختلف گوشوں سے وہاں ایسے ماہرین جمع ہو گئے جو بیجا عیش پسندوں کو داد عیش دینے کے لیے عیش پسندی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے اور سامان عیش مہیا کرنے کے لیے عجیب وغریب دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں میں مصروف نظر آنے لگے اور قوم کے اکابر اس جدوجہد میں مشغول نظر آنے لگے کہ اسباب تعیش میں کس طرح وہ دوسرے پر فائق ہو سکتے اور ایک دوسرے پر فخرو مباحات کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے امراء اور سرمایہ داروں کے لیے یہ سخت عیب اور عار سمجھا جانے لگا کہ ان کی کمر کا پٹکہ یا سر کا تاج ایک لاکھ درہم سے کم قیمت کا ہو یا ان کے پاس عالی شان سر بفلک محل نہ ہو جس میں پانی کے حوض، سرد وگرم حمام، بے نظیر پائیں باغ ہوں اور ضرورت سے زائد نمائش کے لیے بیش قیمت سواریاں حشم وخدم اور حسین وجمیل باندیاں موجود ہوں اور صبح وشام رقص وسرور کی محفلیں گرم ہوں اور جام وسبو سے شراب ارغوانی چھلک رہی ہوں فضول خرچی کے وہ سب سامان مہیا ہوں جو آج بھی تم عیش پسند بادشاہوں اور حکمرانوں میں دیکھتے ہو اور جس کا ذکر قصۂ طولانی کے مترادف ہے۔

غرض یہ غلط اور گمراہ کن عیش ان کے ”معاشی نظام“ کا اصل الاصول بن گیا تھا اور کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ یہ صرف نواب اور امراء کے طبقہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ پوری مملکت میں ایک عظیم الشان آفت اور وباء کی طرح سرایت کر گیا تھا اور عوام وخواص سب میں یہی جذبۂ فاسد پایا جاتا اور ان کے ”معاشی نظام“ کی تباہی کا باعث بن رہا تھا۔

نتیجہ یہ تھا کہ مملکت کی اکثریت پر یہ حالت طاری تھی کہ دلوں کا امن وسکون مٹ گیا تھا۔ ناامیدی اور کاہلی بڑھتی جاتی تھی اور بہت بڑی اکثریت رنج وغم اور آلام ومصائب میں گھری نظر آتی تھی، اس لیے کہ ایسی مفرطانہ عیش پرستی کے لیے

زیادہ سے زیادہ رقوم اور آمدنی درکار تھی اور وہ ہر شخص کو مہیا نہ تھی۔ البتہ اس کے لیے بادشاہ اور نو امراء اور حکام نے معاشی دستبرد شروع کر دی اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ کاشتکاروں، تاجروں، پیشہ وروں اور اسی طرح دوسرے کار پردازوں پر طرح طرح کے ٹیکس عائد کر کے ان کی کمر توڑ دی اور انکار کرنے پر ان کو سخت سے سخت سزائیں دیں اور مجبور کر کے ان کو ایسے گھوڑوں اور گدھوں کی طرح بنا دیا جو آبپاشی اور ہل چلانے کے کام میں لائے جاتے ہیں اور پھر کارکنوں اور مزدور پیشہ لوگوں کو اس قابل بھی نہ چھوڑا کہ وہ اپنی حاجات وضروریات کے مطابق بھی کچھ پیدا کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ ظلم وبداخلاقی کی انتہا ہو گئی تھی۔

اس پریشان حالی اور افلاس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو اپنی اخروی سعادت وفلاح اور خدا سے رشتۂ بندگی جوڑنے کے لیے بھی مہلت نہ ملتی تھی اور اس ”فاسد معاشی نظام کا ایک مکروہ پہلو یہ بھی تھا کہ جن صنعتوں پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے وہ اکثر یک قلم متروک ہو گئیں اور امراء و رؤسا کی مرضیات وخواہشات کی تکمیل ہی سب سے بڑی خدمت اور سب سے بہتر حرفہ شمار ہونے لگا۔ اور جمہور کی یہ حالت تھی کہ ان کی تمام زندگی بداخلاقی کا نمونہ بن گئی تھی اور ان میں سے اکثر کا گزارہ بادشاہوں کے خزانوں سے کسی نہ کسی طرح وابستہ ہو گیا تھا۔ مثلاً ایک طبقہ جہاد کیے بغیر باپ دادا کے نام پر مجاہدین کے نام سے وظیفہ خواری کر رہا ہے تو دوسرا مدبرین مملکت کے نام سے پل رہا ہے۔ کوئی بادشاہ اور امراء کی خوشامد میں قصہ خوانی کر کے شاعری کے نام سے وثیقہ پا رہا ہے تو کوئی صوفی اور فقیر بن کر دعا گوئی کے زمرہ میں مالی استحصال کر رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسب معاش کے بہترین طریقوں کا فقدان تھا اور ایک بڑی جماعت چاپلوسی صاحبت، چرب زبانی اور دربارداری کو ذریعہ معاش بنانے پر مجبور ہو گئی تھی اور یہ ایک ایسا فن بن گیا تھا جس نے ان کے افکار عالیہ اور ذہنی نشوونما کی

تمام خوبیاں مٹا کر پست و ارزل زندگی پر قانع کر دیا تھا۔

پس جب یہ فاسد مادہ وباء کی طرح پھیل گیا اور لوگوں کے دلوں تک سرایت کر گیا تو ان کے نفوس دنائت و خست سے بھر گئے اور ان کی طبائع، اخلاق صالحہ سے نفرت کرنے لگیں، اور ان کے تمام اخلاق کریمانہ کو گھن لگ گیا اور یہ سب اس ''فاسد معاشی نظام'' کی بدولت پیش آیا جو عجم و روم کی حکومتوں میں کارفرما تھا۔

آخر جب اس مصیبت نے ایک بھیانک شکل اختیار کر لی اور مرض نا قابل علاج حد تک پہنچ گیا تو خدا تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھا اور اس کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اس مہلک مرض کا ایسا علاج کیا جائے کہ فاسد مادہ جڑ سے اکھڑ جائے اس کا قلع قمع ہو جائے۔ اس نے ایک نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث کیا اور اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا، وہ آیا اور اس نے روم و فارس کی ان تمام رسوم کو فنا کر دیا اور عجم و روم کے رسم و رواج کے خلاف صحیح اصولوں پر ایک نئے نظام کی بنیاد ڈالی۔

اس نظام میں فارس و روم کے فاسد نظام کی قباحت کو اس طرح ظاہر کیا کہ معاشی زندگی کے ان تمام اسباب کو یک قلم حرام قرار دیا جو عوام اور جمہور پر معاشی دستبرد کا سبب بنتے اور مختلف عیش پسندیوں کی راہیں کھول کر حیات دنیوی میں بیجا انہماک کا باعث ہوتے ہیں۔ مثلاً مردوں کے لیے سونے چاندی کے زیورات اور حریر و دیبا کے نازک کپڑوں کا استعمال اور تمام انسانی نفوس کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت ہر قسم کے چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال اور عالی شان کوٹھیوں اور رفیع الشان محلات و قصور کی تعمیر اور مکانوں میں فضول زیبائش و نمائش وغیرہ کہ یہی فاسد نظام کے ابتدائی منازل اور معاشی نظام کی تباہی کا منشاء و مولد ہیں۔

بہر حال خدائے تعالیٰ نے اس ہستی کو اخلاق کریمانہ اور نیک نہادی کے لیے معیار اور طاہر و پاک امور کے لیے میزان بنا دیا۔

اسی طرح ''ارتفاقات'' پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

''یہ واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا منشاء اگرچہ بالذات عبادت الٰہی سے متعلق ہے مگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس منشاء میں رسوم فاسد کو فناء کر کے اجتماعی زندگی میں بہترین نظام کا قیام بھی شامل ہے۔ اسی طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں

اور اس لیے اس مقدس ہستی کی تعلیم میں ''رہبانیت'' کو اخلاقی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ انسانوں کے باہم اختلاط و اجتماع کی زندگی کو ترجیح دی گئی ہے لیکن اس اجتماعیت کا امتیاز یہ قرار دیا ہے کہ اس کے معاشی نظام میں نہ دولت و ثروت کو وہ حیثیت حاصل ہو جو عجمی بادشاہوں کے یہاں حاصل تھی اور نہ ایسی کیفیت ہو کہ تمدن سے بیزار دہقاں اور وحشی لوگوں کی طرح ان کی معیشت ہو۔

پس اس مقام پر دو متعارض قیاس کام کر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک محبوب و محمود شئے ہے اس لیے اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہے تو اس کی بدولت انسانوں کا دماغی توازن اعتدال پر رہتا اور اس سے ان کے اخلاق کریمانہ صحیح اور درست رہتے ہیں۔ نیز انسان اس قابل بنتا ہے کہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہو۔ اس لیے کہ بیکسانہ اور مجبورانہ افلاس، سوءِ تدبیر اور مزاج کے اختلال کے باعث ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نظام معیشت میں دولت و ثروت ایک بدترین چیز ہے جبکہ وہ باہمی مناقشات اور بغض و حسد کا سبب بنتی اور خود اہل دولت و ثروت کے اطمینان قلب کو تعب اور حریصانہ کد و کاوش کے زہر سے مسموم کرتی ہو۔ کیونکہ اس صورت میں یہ بد اخلاقی کے مرض میں مبتلا کر دیتی، آخرت اور یادِ الٰہی یعنی روحانی زندگی سے یکسر غافل و بے پروا بنا دیتی ہے اور مظلوموں پر نت نئے مظالم کا دروازہ کھولتی ہے۔ لہذا پسندیدہ راہ یہ ہے کہ دولت و ثروت ''نظام

تمہیں تو اس زمین کی خلافت بخشی گئی تھی اس کو تم نے نمونہ جہنم بنا ڈالا تو اگر تم چاند و مریخ پر پہنچ بھی گئے تو کیا حاصل؟ یہ تو مقصد زندگی سے فرار کی راہ ہے ___ اصل ضرورت ''معاشیات معیاری'' کی تلاش ہے ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کے بقول۔

معاشیات معیاری کا مقصد معیشت موجودہ کی تشریح اور توجیہ نہیں بلکہ ''معیشت حجتہ'' کا پتہ چلانا ہے۔ وہ محض یہ معلوم کرنے پر قانع نہیں کہ معاشی کل پرزے کیسے کام کرتے ہیں بلکہ وہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ معاشی کل ہونی کیسی چاہیے۔

''معیشت حجتہ'' سے مراد وہ معیشت ہے جو مقصد حیات انسانی اور مقصد کائنات کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہو معاشیات سے متعلق جملہ تمام مسائل کا انحصار اسی پر ہے کہ یہ اصل ہے اور باقی اس کے ماتحت قدریں۔؎

اسی ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے آگے چل کر واضح کیا کہ آج کے مختلف الفکر معاشیین فلسفہ کے مقابلہ میں علم کے حامی ہیں وہ اس پر تو بحث کرتے ہیں جو کچھ موجود ہے (غلط یا صحیح) لیکن ہونا کیا چاہیے اس سے وہ مطلق سروکار نہیں رکھتے معاشیات میں وہ اخلاقی احکام کے سختی سے مخالف ہیں۔؎ (اور ظاہر ہے کہ اس کے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوتا)

لیکن اسلام جس کے حوالہ سے گفتگو مقصود ہے وہ صرف علم و تھیوری نہیں بلکہ ایک عملی سسٹم ہے اور اس کا جو سنہری دور تھا یعنی دور نبوت و خلافت راشدہ، اس میں دنیا نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ صدقہ دینے والے لیے لیے پھرتے ہیں لینے والا کوئی نہیں اس دور میں علمی و فنی موشگافیاں نام کو نہ تھیں لیکن رفاہیت و خوشحالی کا یہ حال تھا کہ کافر و مسلم کی تمیز کے بغیر سبھی پرسکون اور مطمئن زندگی گزار رہے تھے کسی کو کسی سے شکایت نہ تھی۔؎

اگر آپ غور فرمائیں تو معاشی نظام کے منشا کے سلسلہ میں دو قسم کی سوچیں نظر آئیں گی ایک سوچ کا عنوان قرآن عزیز کے الفاظ میں "ھل من مزید"[5] ہے اس میں انسان کو کبھی سیری نہیں ہوتی بلکہ اس کی ہوس ہر حال میں بڑھتی جاتی ہے۔

دوسری سوچ یہ ہے کہ انسان کے پیش نظر نفع بازی نہ ہو بلکہ ضروریات زندگی کی تکمیل اور رفع حاجات ہو اور یہی محرک ہو کہ انفرادی و اجتماعی احتیاجات پوری کی جا سکیں۔

اسلام دوسری سوچ کا علمبردار ہے وہ ہوس زر اور منافع بازی کے تخیل کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رفع حاجات کے پہلو کو سامنے رکھتا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں۔

> (گویا اس نظام معیشت میں) بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت بہ حیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے لیکن صرف اپنے ہی لیے کمائیں گے تمام افراد قوم کے لیے کمائیں گے۔ یہ صورت نہ پیدا ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی و مفلس کا پیام ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔[6]

اس اصول کے پیش نظر اسلام کا معاشی نظام ہے جو اپنے اندر علم معیشت کے جملہ قدیم و جدید مذہبی و عقلی نظاموں کے محاسن سموئے ہوئے اور ان کے مجموعہ سے کہیں بڑھ کر خوبیوں اور محاسن کا مالک ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ انسانی

Iqbal CyberLibrary All rights reserved. ©2002-2006

دماغ کا اختراع نہیں اس خالق کائنات کا بتلایا ہوا ہے جو رب العالمین ہے جس سے سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی اس درخواست پر کہ:

وارزق اھلہ من الثمرات من امن منھم باللہ والیوم الآخر

اور اس شہروں کے رہنے والوں میں سے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اس کو کھانے کے لیے قسم قسم کے میوے عطا فرما۔

فرمایا تھا:

ومن کفر فامتعہ قلیلا

اور جو شخص کفر کرے گا اس کو بھی تھوڑی مدت (یہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں بہت تھوڑی مدت ہے) خوب سود مند کروں گا۔ ے

اسی تمہیدی گفتگو کے بعد ہم آپ کو قرآن عزیز کی ان آیات سے روشناس کراتے ہیں جن میں معاشیات کے اصول بیان فرمائے گئے ہیں۔ لیکن ان آیات کی نقل سے قبل یہ واضح کرنا ضروری خیال کرتے ہیں کہ قرآن عزیز کی ایک بنیادی روش ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملہ میں محض اساسی اصول اور اختصار کے ساتھ کلیات کو ذکر کر کے ان کی تفصیلات وتشریحات کو ارشاداتِ نبوی اور ان سے مستنبط احکام (فقہ) کے حوالے کر دیتا ہے۔

قرآن بتلاتا ہے کہ رزق و معاش کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے ہے وہی ہر کسی کا کفیل ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ دنیا کے اس متنوع ماحول کے پیش نظر رزق کے اندر درجات کا فرق و تفاوت ہو تو ہو لیکن کوئی محروم معیشت ہو، یہ ممکن نہیں۔

اس ضمن میں جو آیات قرآنی ہیں ان کا متن چھوڑ کر محض ترجمہ دیا جا رہا ہے تاکہ معاملہ طویل نہ ہو جائے باذوق قارئین کتاب الٰہی کے ان مقامات کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

الف) اور کوئی ذی روح زمین پر چلنے پھرنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔[۸]

ب) اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سب آسمان میں ہے۔[۹]

ج) اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب سے قتل نہ کیا کرو ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔[۱۰]

د) اور کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔[۱۱]

ہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خود ہی سب کو روزی دینے والا زور آور اور مضبوط ہے۔[۱۲]

و) اور ہم نے زمین میں تمہاری معیشت کے سامان پیدا کئے اور ان جانداروں کو پیدا کیا جن کو تم روزی نہیں دیتے۔[۱۳]

ز) وہی ہے جس نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے نفع کے لیے پیدا کیا۔[۱۴]

قرآن کریم کی ان آیات میں بغیر کسی تخصیص ہر فرد بشر کو خطاب ہے اور کہا یہ جا رہا ہے کہ معیشت و اسباب معیشت اللہ تعالیٰ کے خزانہ کی وہ عطا ہے جس سے فائدہ اٹھانے کا ہر جاندار کو برابر کا حق ہے۔

دو آیات مزید ملاحظہ فرمالیں جن میں اس روح کی زیادہ وضاحت ہے۔

الف) اور اسی نے (اللہ تعالیٰ نے) زمین میں زمین کے اوپر پہاڑ قائم کر دیے اور اس نے اس زمین میں برکت رکھی اور زمین پر رہنے والوں کی غذائیں بھی اس زمین میں مقرر کر دیں۔ یہ سب کچھ کامل چار دن میں ہوا، دریافت کرنے والوں کے لیے یہ واضح بیان اور پورا جواب ہے۔[۱۵]

ب) اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔

IqbalCyberLibrary All rights reserved. ©2002-2006

دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک و قابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالے کر دے کیونکہ باعتبار اصل دونوں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مال کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا اگر زکوۃ بھی ادا کر دی جائے اور انبیاء و صلحاء اس سے بغایت مجتنب رہے چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے بلکہ بعض صحابہ و تابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرمایا۔ بہر کیف غیر مناسب و خلاف اولی ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجۃ سے تو اس کی کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی **ملک** ''من وجہ'' اس میں موجود۔ تو گویا شخص مذکور من وجہ مال غیر پر قابض و متصرف ہے اور اس کا حال جیسے مال غنیمت کا سا تصور کرنا چاہیے وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ کل مال غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت و حصول انتفاع ''بقدر حاجت'' ہر کوئی مال مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے۔ ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو بھی معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے۔ یعنی خائن شمار ہوگا[۱۸]

اور مشہور محدث ابن حزم ظاہری نے اس سلسلے میں محلی میں جو روایات نقل کی ہیں، وہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

عن ابى سعيد الخدرى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان معه فضل ظهر فليعد به علے من لا ظهر له و من كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له قال فذكر من اصناف المال ماذكر حتى رأينا انه لا حق لاحد منا فى فضل. ''

محلی ابن حزم جلد ۶ ص ۱۵۷، ص ۱۵۸

قال عمر بن الخطاب لو استقبلت من امرى ما استدبرت لاخذت فضول الاغنياء فقسمتها علىٰ فقراء المهاجرين.

محلی ابن حزمؒ ص ۱۵۸، ج ۶
(بقول علامہ ابن حزمؒ یہ روایت نہایت ہی صحیح ہے)

و صح عن عبیدة بن جراح و ثلثمائة من الصحابة (رضی اللہ عنھم) ان زادھم فنی فامرھم ابو عبیدة فجمعوا ازوادھم فی مزودین و جعل یقوتھم ایا ھا علی السواء. محلی جلد ۶ ص ۱۵۸

حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے پاس قوت و طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہیے کہ اس فاضل سامان کو کمزور کو دے دے اور جس شخص کے پاس سامان خورد و نوش حاجت سے زائد ہو اس کو چاہیے کہ فاضل سامان نادار اور حاجتمند کو دے دے۔ ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مختلف انواعِ مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے فاضل مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس بات کا مجھے اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے اندازہ ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ ارباب ثروت کی فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین میں بانٹ دیتا۔

حضرت ابوعبیدہؓ اور تین سو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ ایک موقعہ پر ان کا سامانِ خورد و نوش ختم ہونے کے قریب آ لگا پس حضرت ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر موجود ہے وہ حاضر کریں اور پھر سب کو جمع کر کے اُن سب میں برابر تقسیم کر کے ان سب کی قوت لایموت کا سامان کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دولت کے اموال پر ان کے

> غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے وہ محض اس لیے کہ اہل ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کرے گا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔
>
> یہ اور اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیاتِ قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے مشہور محدث ابن حزم ظاہری یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں۔
>
> اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فی (بیت المال کی آمدنی) ان غرباء کی معاشی کفالت کو پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان ارباب دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کرسکتا ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے بہ جبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کرسکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔

”ایضاح الادلہ“ اور محلی ابن حزم کے حوالہ سے جو کچھ گذرا اس سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا نظام معیشت حق معیشت میں مساوات کا کتنا بڑا علمبردار ہے اور ”امیر اسلام“ (حکومت) کو کس طرح اختیار دیتا ہے تا کہ اس پر عمل درآمد ہو سکے اسلامی نظام کے حقائق سے نا آشنا دماغ اور وہ لوگ جن کی پرورش اس فاسد نظام میں ہوئی اور غیر ملکی حکمرانی کے بعد بھی فاسد نظام تعلیم نے جن کی روحوں کو زنگ آلودہ کر دیا ہے ان کے نزدیک ہماری گفتگو تو یقیناً منشاء الٰہی کے خلاف معلوم ہو گی کہ ایسے افراد یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود

ہی کروڑوں انسانوں کو محروم المعیشت پیدا کیا ہے تو پھر کیسے مان لیں کہ اس کی مرضی یہ ہے کہ تمام افراد کا اس میں حق ہے ــــ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کہیں کہ کسی خارجی نظام سے متاثر و مرعوب ہو کر ہم کوئی نئی تعبیر کر رہے ہیں لیکن ایسے کندہ تراش انسانوں سے ہم کہیں گے کہ وہ کہیں تکوین و تشریع کے فرق کو اگر آپ ملحوظ خاطر رکھتے تو اس قسم کے وساوس و شبہات تمہارے اندر پیدا نہ ہوتے ــــ اللہ تعالی نے تکوینی طور پر جو بھی نظام بنا دیا لیکن تشریعی طور پر اس نے خود انسانوں ہی کو عدل و انصاف کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

اس نے اس جہان رنگ و بو میں اچھائی اور برائی کی ہر دو راہیں انسان پر واضح کر دی ہیں ــــ قرآن میں ہے۔

وهد يناه النجدين

اور ہم نے اس کو (انسان) دونوں راہیں دکھا دیں یعنی خیر و شر کی)[۲۰]

اب شر کی راہ کو نظر انداز کر کے خیر کی راہ کو اپنانا اور اس پر چلنا یہ انسانیت کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور جب اس ذمہ داری کو اپنایا جائے گا تو اس جہان میں کوئی بھوکا اور قلاش نہ رہے گا بلکہ

نکتہ شرع مبین این است وبس
درجہاں محتاج باشد نہ کس

کے بقول ہر ایک مطمئن اور آسودہ زندگی گزارے گا۔

جب اس بستی پر بسنے والے یہ خیال کر لیں گے کہ ہم سب ''اللہ تعالی کا کنبہ'' ہیں تو پھر کوئی کسی پر ظلم نہ کرے گا نہ استحصال بلکہ "انما المؤمنون اخوة" کی قرآنی ہدایت کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہیں گے اور یوں یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گا حق معیشت میں مساوات کا اصول ذہن نشین ہو جانے کے بعد یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ درجات معیشت میں سب کا یکساں ہونا فطری طور پر ممکن

نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت فرق مراتب رکھا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اعتدال کی راہ سے ہٹ کر وہ طریق کار اختیار کر لیا جائے کہ انسانیت طبقات میں بٹ کر رہ جائے اور ایک طبقہ کی ترقی دوسرے کے افلاس کا سبب بن جائے۔

قرآن عزیز کے وہ مقامات جن میں درجات معیشت کا ذکر ہے ان کی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

الف) دنیوی زندگی میں بھی ان کی روزی ان میں ہم ہی نے تقسیم کر رکھی ہے۔ اور ہم نے با اعتبار مراتب ایک کو دوسرے پر بلندی عطا کر رکھی ہے۔[۲۱]

ب) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے اور یہ کافر دنیا کی زندگی پر اتراتے ہیں حالانکہ یہ دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں سوائے تھوڑے سے فائدے کے اور کچھ نہیں۔[۲۲]

ج) اور وہی (اللہ تعالیٰ ہے جس نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا اور باعتبار درجات کے تم میں سے بعض کو بعض پر فوقیت عطا کی تا کہ اس میں وہ تمہاری آزمائش کرے۔[۲۳]

د) النحل کی آیت ۷۱ بھی ملاحظہ فرمالیں جو پہلے گزر چکی۔

گویا ان آیات میں جہاں درجات معیشت اور فرق مراتب کا ذکر کیا وہاں اس کی ایک خاص مصلحت بھی بتلا دی کہ اس کا سبب ایک خاص قسم کی آزمائش ہے ــــ کہ ایک طرف کسی کو صاحب ثروت بنایا تو اس سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ اپنی ثروت کو تنہا اپنی نہ سمجھے بلکہ خیال کر رکھے کہ جتنا وہ زیادہ کمائے گا اجتماعی حقوق اس پر اتنے ہی بڑھتے جائیں گے اور غیر متمول حضرات کی آزمائش یہ ہے کہ وہ متمول طبقہ کو دیکھ کر ناشکری کا راستہ نہ اختیار کریں اور حسد و بغض سے احتیاط رکھیں اور قناعت کی زندگی اپنا کر سکون قلب کی دولت حاصل کریں یا پھر عملی میدان میں

سرگرم ہو کر اپنا مقام بڑھا لے اور تمول و خوشحالی کی چڑیا کو اپنے قبضہ میں لے لے۔

اس ضمن میں تیسری قرآنی ہدایت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو احتکار و اکتناز سے بچائے کوئی ایسی شکل نہ پیدا ہونے دے کہ دولت پھیلنے کے بجائے سمٹ کر کسی خاص طبقہ میں محدود ہو جائے۔

احتکار و اکتناز کی حرمت اور انفاق کے وجوب کے لیے ان آیات کو سامنے رکھیں۔

الف) اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیے۔ جس دن وہ دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا سو اس کا مزہ چکھو۔[۲۴]

ب) (فقراء، مساکین، قرابت داروں اور یتیموں وغیرہ پر خرچ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تا کہ وہ مال نے تم میں سے سرمایہ داروں کے ہاتھوں دائر اور رہوتا پھرتا ہو کر نہ جائے۔[۲۵]

ج) اور تم اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔[۲۶]

ان کے علاوہ اس حوالہ سے اور بھی متعدد آیات میں جن میں ادائے زکوٰۃ و صدقات اور انفاق کا ذکر ہے اور خرچ کے متعلق عزیز رشتہ داروں، پڑوسیوں حتیٰ کہ غیر مسلموں تک کا ذکر ہے ___ اور ان سب کی روح یہی ہے کہ دولت و ثروت جمع و ذخیرہ والی چیز نہیں خرچ و انفاق والی چیز ہے۔

مولانا حفظ الرحمٰن کے بقول:

اسی لیے ان آیات کی تفسیر میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کیے گئے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور کنز سے متعلق وعید کا مصداق ہے اور اسی قسم کی دولت و ثروت کا نام ''سرمایہ داری'' ہے اور یہ حرام و باطل ہے اور تباہ کر دینے کے قابل ہے۔

اور اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی حاجات اصلیہ اور مالی فرائض واجبات کی ادائیگی کے بعد دولت باقی بچے (جس کا امکان کم ہی ہے) تو اس کا پس انداز کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے کیونکہ اب اس مال پر اجتماعی حقوق عائد ہو چکے ہیں لہٰذا اب اس کو اجتماعی حاجات میں صرف ہونا چاہیے۔ رہ گئے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دوسرے اکابر علما تو وہ اس کو بھی حرام بتلاتے ہیں۔ [۲۷]

ان آیات کے علاوہ جن میں احتکار و اکتناز سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور زکوٰۃ و صدقات اور انفاق کا حکم ہے، وہ آیات بھی سامنے رکھیں جن میں میراث وغیرہ کے مسائل و احکام ہیں تو پھر ہمارے اس دعوے کا مزید ثبوت مل جائے گا کہ دولت روک رکھنے کی چیز نہیں خرچ کرنے، پھیلانے اور تقسیم کرنے کی چیز ہے۔

اگلی چیز جو اس ضمن میں اسلام نے بتلائی وہ ہے ''فاسد نظام معیشت کا انسداد اور سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن'' لین دین کے جملہ معاملات میں کوئی ایسا طریقہ جائز نہیں جس سے فاسد نظام معیشت بروئے کار آئے، اسے اعانت میسر آئے یا محنت و اجرت کے لیے جائز سعی و محنت بیکار ہو کر رہ جائے اور سرمایہ و محنت کے درمیان توازن باقی نہ رہے اس نقطہ نظر سے ربوٰ اور قمار کی جملہ ظاہری اور مخفی اقسام، احتکار و اکتناز کی جملہ شکلیں اور عقود فاسدہ کی تمام صورتیں مردود قرار پاتی ہیں ــــ قرآن عزیز کے اصولی ارشادات کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

الف) اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کے معاملات کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار

کوحرام کر دیا ہے۔[۲۸]

ب) اللہ تعالیٰ سودی کاروبار کو مٹاتا اور صدقات و خیرات کو ترقی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکر گزار گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔[۲۹]

ج) بے شک شراب، جوا، بت اور فال کھولنا ناپاک ہیں۔ کار شیطان ہیں پس ان سے بچو۔[illegible]

د) خرابی ہے کمی کرنے والوں کے لیے۔ ان لوگوں کے لیے جب ماپ کر لیں تو لوگوں سے تو پورا پورا بھر لیں اور جب ان کو ماپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا دیں۔[illegible]

و) اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل (ناجائز طریقہ) سے نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت ہو تو اس طرح کھا سکتے ہو (گویا ہر شخص اپنے حصے کے مطابق اپنا حق لے سکتا ہے۔[۳۱]

ان آیات قرآنی کی روشنی میں حضرت الامام الشاہ ولی اللہ الدھلوی قدس سرہ حجتہ اللہ البالغہ کے ''باب ابتغاء الرزق'' میں نہایت ہی عالمانہ اور مدلل گفتگو فرمائی ___ طویل اقتباس ہے دیکھیں اور غور فرمائیں کہ کس طرح روح قرآنی میں ڈوبے ہوئے ارشادات ہیں۔

> ''یہ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی معاشی حیات کے لیے سب کچھ سامان فراہم کر دیا اور ان سب کو سب کے لیے مباح اور عام کر دیا تو ان سے متمتع ہونے میں مخلوق کے درمیان مزاحمت اور مناقشت شروع ہو گئی تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص سبقت اور پہل کر کے کسی شئے کو اپنے قبضہ میں کر لے یا مورث کے قبضہ کی وجہ سے اس کی وراثت میں آ جائے یا ان کے علاوہ ایسے دوسرے طریقوں سے اس کا

قبضہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز قرار پا چکے ہیں تو ایسی صورت میں اب کسی دوسرے شخص کو اس کی مقبوضہ شے میں مزاحمت کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ دوسرے کی مقبوضہ شے کو حاصل کرنے کا جائز طریقہ ہے کہ یا خرید و فروخت اور لین دین کے ذریعے تبادلہ کی شکل پیدا کرے یا معتبر طریقوں سے باہمی رضامندی کا معاملہ اس طرح انجام پا جائے کہ ہر دو جانب میں اس کے متعلق صحیح علم ہو اور اس معاملہ میں نہ تو التباس اور دھوکے کا دخل ہو اور نہ غلط ملط کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ نیز جبکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوئے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون واشتراک کے بغیر ناممکن ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تعاون اور باہمی اشتراک عمل کو واجب کر دیا اور یہ بھی لازم قرار دیا کہ کسی فرد کو بھی ایسے امور سے کنارہ کش ہونے کا حق حاصل نہیں ہے جو تمدن میں دخیل ہیں مگر یہ کہ کسی شخص کو بعض مجبور کن حالات ایسا کرنے پر مجبور کر دیں۔

نیز اسباب معیشت کے ''اسباب'' بننے میں اصل الاصول یہ ہے کہ اموال مباح میں سے کسی شئے کو اپنے قبضے میں لیا جائے یا ان اموال مباح کے وسیلہ سے جو کہ مالی ترقی کا ذریعہ بنا کرتے ہیں، اپنے مقبوضہ اور مشخصہ مال کو ترقی دی جائے۔ مثلاً چرائی کے ذریعے سے چوپایوں کی افزائش نسل یا زمین کی درستی اور پانی کی سیرابی کے ذریعہ سے زراعت و کاشت کاری۔ لیکن مال مباح کو اپنے لیے خاص کرنے یا دوسرے مباح اموال کو اپنے مال کی ترقی کا ذریعہ بنانے میں شرط اوّلین یہ ہے کہ یہ تصرفات اس طرح عمل میں نہ آنے پائیں کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لیے معاشی ذرائع کی تنگی اور ضیق کا باعث بن جائے اور اس طرح تمدن کو فاسد اور برباد کر دے (یعنی جبکہ حلال وسائل معاش سب کے لیے یکساں طور پر مباح الاصل ہیں تو اب کسی شخص کو اپنی

شخصی معاش کے لیے اسی قدر اس میں تصرف اور دعویٰ ملکیت جائز ہے کہ اس کا یہ عمل دوسروں کی معاشی زندگی کی پریشانی کا باعث نہ بن جائے اور اس کی دولت مندی دوسروں کے افلاس اور فقر وفاقہ کا سبب نہ ثابت ہو)

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اگر ''معاشی معاملات'' میں لوگوں کے درمیان باہمی تعاون اور اشتراک عمل کے ذریعے مالی ترقی ونمو بروئے کار نہ آئے تو تمدن کا مصالح اور صحیح رہنا دشوار سے دشوار تر ہو جائے گا۔ مثلاً ایک چاہتا ہے کہ وہ تجارتی مال کو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جائے اور ایک معین مدت کے لیے وہ اس ایاب وذھاب کی گارنٹی چاہتا ہے (یعنی تجارت کو ذریعہ معاش بناتا ہے) یا مثلاً ایک دوسرا شخص اپنی عملی جدوجہد کے ذریعے دوسروں کے مال کی دلالی کرتا ہے (یعنی محنت کو ذریعہ معاش بناتا ہے) یا ایک تیسرا شخص اپنی نئی نئی پسندیدہ ایجادات کے ذریعے دوسروں کے مال کو بیش قیمت اور بہتر بناتا ہے (یعنی صنعت وحرفت کو وسیلۂ معاش بناتا ہے) اور اسی طرح دوسرے جائز طریقے اختیار کرتا ہے (تو ان سب صورتوں میں تعاون کے بغیر معاشی زندگی میں استواری پیدا نہیں ہو سکتی) بہر حال ان تمام معاملات میں صحیح تعاون واشتراک عمل ضروری اور واجب ہے اور اگر چہ مالی ترقی ایسے طریقہ سے کی جائے کہ اس میں سرے سے تعاون کا کوئی دخل نہ ہو جیسا کہ قمار (جواء) کا کاروبار یا ایسے طریقہ سے عمل میں آئے کہ بظاہر تو تعاون نظر آتا ہو لیکن حقیقت میں وہ زبردستی کا تعاون ہو، حقیقی تعاون نہ ہو جیسا کہ مثلاً ربٰو (سود) کا کاروبار۔ اس لیے کہ یہ بات بہت صاف ہے کہ ایک مفلس اور نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وجہ سے اپنے ذمہ ایسی ذمہ داریوں کو لے لینے کے لیے مجبور ومضطر ہو جاتا ہے جن کو پورا کرنے کی اپنی طاقت نہیں پاتا اور اس کی اس قسم کی رضامندی ہرگز رضا

مندی نہیں کہلائی جا سکتی۔ پس اس طرح کے کاروبار نہ پسندیدہ اور جائز معاملات کہلائے جا سکتے ہیں اور نہ ان کو معاشیات کے اسباب صالح کہا جا سکتا ہے اور بلاشبہ اس قسم کے تمام معاملات حکمت تمدن کی نگاہ میں باطل اور ظلم ہیں۔[۴۳]

حضرت شاہ صاحب کے اس ارشاد گرامی کو گہرائی اور دقت نظر سے ملاحظہ فرمائیں تو مندرجہ ذیل ۴ اصول ہمارے سامنے آتے ہیں۔

الف) معیشت میں فطری تفاوت کے باوصف تمام مخلوق یکساں ہے اور جملہ وسائل سب کے لیے مباح الاصل ہیں۔

ب) ان مباح اموال میں ہر فرد کو اتنا ہی تصرف کا حق حاصل ہے جس سے کسی دوسرے کے لیے معاشی تنگی پیدا نہ ہو۔

ج) معاشی معاملات میں باہمی تعاون اور اشتراک واجب و لازم ہے۔

د) یہ تعاون ایسے صحیح طریقوں پر مبنی ہو کہ نظام تمدن میں ابتری نہ پھیلے۔

ان اصولوں پر عمل درآمد جب ہی ممکن ہے کہ:

الف) کائنات میں ایک صالح معاشی نظام ہو جو اللہ تعالیٰ کی منشاء اور حکم کے مطابق ہو۔

ب) اس صالح نظام میں وہ جملہ معاملات ناجائز اور حرام ہیں جن میں باہمی تعاون کا جذبہ نہ ہو۔

ج) اور وہ معاملات بھی ناجائز ہیں جن میں بظاہر تعاون نظر آتا ہو لیکن ان کی تہہ میں جبر و زبردستی کے بغیر کچھ نہ ہو۔[۴۴]

اس اصولی گفتگو کے بعد ہم ''انفرادی'' معیشت کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہیں کیونکہ معیشت اور اسباب معیشت انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ جہاں تک فرد کی انفرادی معیشت کا سوال ہے اس میں تین

سوال سامنے آتے ہیں۔

وہ کیا کمائے؟

کیا خرچ کرے؟

کس پر خرچ کرے؟

پہلے سوال کے ضمن میں آیات ربانی اور احادیث نبویہ کو سامنے رکھیں جن کا تعلق کمانے کی ترغیب اور اس راہ کی محنت سے ہے ــــ یہ دنیا دارالعمل ہے اس میں محنت و سعی سے ہی کام چلے گا جمود و خمود یہاں بربادی کا سبب بنتے ہیں ــــ راہبانہ زندگی کو قرآن عزیز نے دنیائے عیسائیت کی وہ بدعت قرار دیا جو انہوں نے اپنے طور پر اپنائی لیکن چونکہ وہ غیر فطری چیز تھی اس لیے وہ اپنی اختیار کردہ چیز کا بھی حق ادا نہ کر سکے۔[۵]

قرآن و سنت کسب و سعی کے لیے بھرپور سعی کی تلقین کرتا اور اس پر ابھارتا ہے۔

الف) پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کی تلاش کرو۔[۶]

ب) جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا بندگی کرتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں پس تم اللہ تعالیٰ کے یہاں رزق تلاش کرو۔[۷]

ج) حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے فریضہ عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔

د) جب تم فجر کی نماز ادا کر چکو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند کا نام بھی نہ لو۔[۸]

و) بعض گناہ ایسے ہیں کہ انکا کنارہ صرف طلب معیشت کی جدوجہد سے ہی

ممکن ہے۔[۳۹]

ر) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم لوگ اپنی روزی زمین کے خفیہ خزانوں میں تلاش کرو۔[۴۰]

ز) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص طلب رزق کی جدوجہد میں ہمت، ہار کر نہ بیٹھ جائے۔[۴۱]

سید مرتضیٰ زبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء کی شرح میں اس قول پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائز اسباب معیشت میں سے کسی سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے کہ جس سے وہ رزق حاصل کر سکے۔[۴۲]

کسب معاش کے لیے جدوجہد کی اس ترغیب کا مطلب یہ نہیں کہ انسان کمائی کی دنیا میں آزاد ہے بلکہ اسے بعض اصولوں کا پابند کیا گیا ہے تاکہ معیشت فساد سے بچ جائے اور اس کا مالک معاشی خوشحالی کے ساتھ ساتھ اخلاقی عظمت کا علمبردار بھی بن سکے۔ قرآن عزیز سے دو اصول بڑے اہم سامنے آتے ہیں ایک یہ کہ جو حاصل کیا جائے وہ ”حلال“ ہو اور جن طریقوں سے حاصل کیا جائے وہ طیب ہوں۔ علماء نے لکھا ہے کہ ایک مسلمان ہر ایسی چیز سے بچے جس کی ترکیب ان عناصر سے ہو جو جسمانی امراض کا مبدا بننے اور قوائے حیوانی کو برانگیختہ کرنے کا باعث ہو۔ اسی طرح ایسی چیز سے احتراز لازم ہے جو غرور و خودنمائی اور ایسے امراض کا سبب بنے اگر انسانی کسب و اکتساب ایسے اوصاف سے پاک ہو تو وہ حلال ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ جو چیز حاصل کی گئی وہ اپنی ذات میں کمائی کے طریقوں میں نفس کو پاک رکھنے اور خبائث سے بچانے کا ذریعہ بنے اس سے دوسرے کے لیے معاشی ضیق نہ پیدا ہو ایسی چیز کو ”طیب“ کہا جاتا ہے۔

علامہ سید رشید رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ’’حلال طیب‘‘ سے متعلق اسلاف و اخلاف کی روایات کا یہ ملخص پیش کیا ہے

> طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لیے کہ نص قرآنی نے جن اشیاء کو حرام کیا ہے ان کی حرمت تو ذاتی ہے اور مضطر کے علاوہ کسی کے لیے کسی حال میں ان کا استعمال داشت نہیں، اور باقی اشیاء جن کی حرمت ان کی ذات اور حقیقت میں نہیں پائی جاتی بلکہ باہر کے اسباب سے حرمت آتی ہے ان کی ممانعت طیب کہہ کر دی گئی۔
>
> پس جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریقے سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ رباء، رشوت، جوڑ، ظلم، غضب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو، جیسا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سڑ کر بو پیدا ہو جانا (کہ اس سے جسم میں سمیت پیدا ہو کر جسمانی صحت کے بگاڑ کا خطرہ ہے)[۴۴]

ہلال اور طیب کی تفصیل سامنے آنے کے بعد یہ بھی دیکھ لیں کہ قرآن و حدیث نے اس کی بالمقابل بعض مقامات پر اصولی طور پر اور بعض مقامات پر بعض چیزوں کا نام لے کر ذکر کرے جو حرام ہیں۔[۴۵]

کسب معاش کے بعد دوسرا مسئلہ صرف و خرچ کا ہے جس میں تین بحثیں ہیں یعنی یہ کیا خرچ کیا جائے؟ کس قدر خرچ کیا جائے؟ تیسرا یہ کہ کن پر خرچ کیا جائے؟ کسب معاش کی بحث میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ایک شخص نے حلال طیب طریقے سے جو کمایا وہی اس کا سرمایہ ہے اور ظاہر ہے وہی خرچ ہوگا دوسرا حصہ کس قدر خرچ کیا جائے اس ضمن میں ایک انفرادی زندگی کی بحث ہے جس کے متعلق قرآن عزیز نے ’’اسراف اور تبذیر‘‘[۴۶] سے منع کر کے باقی اخراجات کی اجازت

دی ہے۔ اسلام خرچ میں میانہ روی کی تلقین کرتا ہے جس کا اصطلاحی نام ''اقتصاد'' ہے ایک حدیث میں ''اقتصاد'' کو نصف معیشت فرمایا گیا ہے۔ ؎ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو خوب حل کیا:

''اللہ تعالیٰ نے جب ''انفاق'' (خرچ کرنے) کا حکم دیا تو ''اسراف'' سے منع فرما دیا اور میانہ روی کی تلقین فرمائی جیسا کہ دوسری آیت میں بہت صراحت کے ساتھ اس کا حکم فرمایا ہے ارشاد ہے:

والذین اذا	اور ایمان والے وہ لوگ
انفقوا لم	ہیں کہ جب وہ خرچ
یسرفوا ولم	کرتے ہیں تو نہ
یقترو	اسراف کرتے ہیں اور
	نہ بخل اختیار کرتے

ہیں۔

پھر تبذیر سے نفرت دلاتے ہوئے مبذّر کو شیطان کا ہمسر بنایا اور اسی قسم کی اور بھی آیاتِ ممانعت تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں حق کے خلاف ہر قسم کے صرف و خرچ کا نام ''تبذیر'' ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے حق کی خاطر سب کچھ خرچ کر ڈالا تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر اپنا تھوڑا سا مال بھی ناحق صرف کر دیا تو یہ تبذیر ہے اور قتادہ کہتے ہیں تبذیر نام ہے مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ناحق اور فساد کے مواقع میں صرف کرنے کا۔ اور امام احمدؒ بروایت ہاشمؒ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں بہت مالدار ہوں اور میرے اہل و عیال بھی ہیں اور مہمانداری بھی خاصی

ہوتی رہتی ہے تو آپ مجھے یہ بتائیے کہ میں کس طرح خرچ کروں؟ اور اس معاملے میں کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مال سے پہلے زکوۃ نکال اگر وہ زکوۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے اس لیے کہ زکوۃ مال کو خباثت سے پاک کر دیتی ہے اور پھر اقرباء کے ساتھ مالی صلۂ رحمی کر اور سائل، پردیسی اور مسکین کے حقوق کی نگاہ داشت کر۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس تمام تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجیے (کہ میں اس کو دستور زندگی بنا لوں) تب آپؐ نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی۔

فآت ذالقربیٰ	پس ادا کرو قرابت
حقہ	والوں کو ان کا حق اور
والمسکین	مساکین کا اور مسافر کا
وابن السبیل	اور ناحق ہرگز خرچ نہ
ولا تبذر تبذیرا	کرو۔

سائل نے یہ سن کر عرض کیا کہ بس یہ میرے لیے کافی ہے۔[۴۸]

امام رازیؒ آیت **والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواماً** کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

اسراف اور تقتیر کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے قوی تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں نہ بے جا غلو کرتے ہیں نہ بے محل بخل برتتے ہیں۔ اسی لیے قرآن عزیز میں دوسری جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے:

ولا تجعل یدک	اور اپنے ہاتھ کو نہ اپنی
مغلولۃ	گردن کے ساتھ

الی عنقك ولا	ہی باندھ لو (یعنی بخل نہ
تبسطها كل	کرو) اور نہ بالکل ہی
البسط ۔ (بنی	کھول دو (یعنی اسراف
اسرائیل)	نہ کرو)

اور یہ آیہ کان بین ذالك قواماً ۔ میں قوام سے اعتدال اور درمیانی راہ مراد ہے یعنی میانہ روی ان کا شعار ہے۔

اور سید محمود آلوسیؒ روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

والظاہر ان المراد بالانفاق ما یعلم انفاقھم علی انفسھم و انفاقھم علی غیرھا والقوام کان ذالک خیرا وقد اخرج احمد والطبرانی عن ابی الدرداء عن النبی

اور ظاہر یہ ہے کہ ''انفاق'' سے اس جگہ عام ہے خواہ وہ ان کی اپنی ذات پر ہو اور خواہ وہ دوسروں پر اور قوام (توسط) ان سب صورتوں میں خیر ہے۔ اور امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابودرداءؓ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص کو دانائی و فرزانگی میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال) اختیار کرے۔

لگے ہاتھوں امام رازی اور صاحب روح المعانی کو بھی دیکھ لیں[٤٩]

الف) صرف مال میں اسراف، تبذیر اور تقتیر ممنوع ہے۔

ب) میانہ روی اعتدال کی راہ ہے اور اجتماعی نظام معیشت کا موثر ذریعہ

ج) فرد جماعت کا حصہ ہے اس لیے اس کی انفرادی آمدنی پر اجتماعی حقوق ہیں اور آمدنی جتنی بڑھے گی اتنے ہی حقوق بڑھیں گے۔

د)　انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کے لیے یہ چیزیں ضروری ہیں

قوت لایموت، ساتر عورت لباس، ضروری رہائش

اس کے بعد جو ذمہ داری ہے وہ یہ ہے۔

الف)　صاحب نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقات واجبہ ادا کرے۔

ب)　صدقات واجبہ کی ادائیگی کے بعد بھی مال پر اجتماعی حقوق ہیں، قرآن عزیز کے ایک مقام سورہ ذاریات آیت ۱۹ سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ''فی المال حق سوی الزکوۃ'' ارشاد فرماتے ہیں اور اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ اگر بیت المال ہر شخص کی انفرادی معیشت کے لیے کفایت نہ کر سکے تو خلیفہ وقت بہ جبر اہل دولت سے مال لے کر اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔[۴۰]

ج)　عام حالات میں صدقات نافلہ کا اس وقت اہتمام کرے جب بنیادی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے۔

د)　خاص حالات میں ایثار اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس طرف توجہ دلائی۔[۴۱]

اس کا دوسرا حصہ اجتماعی معیشت سے متعلق ہے۔ تفصیل تو آگے آئے گی مختصراً یہ سمجھ لیں کہ زکوۃ وراثت وغیرہ جملہ باتوں کے علاوہ انفاق پر بار بار زور دینا اسی کے مختلف پہلو ہیں سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۲۶ ملاحظہ فرمائیں پھر انعام کی آیت ۱۴۱ کا ٹکڑا جس کا ترجمہ یہ ہے:

اور کھیتی کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔

اس کے متعلق امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ حق زکوۃ مفروضہ یعنی عشر کے علاوہ ہے۔ اسی طرح البقرہ کی آیت ۲۱۵ اور ۲۱۹ قابل غور ہیں۔ آیت ۲۱۹ میں لفظ ''العفو'' خاص طور پر قابل توجہ ہے، کہ سوال خرچ کی مقدار کا ہے اس

کا جواب ہے ضروری حاجات سے زائد خرچ کر ڈالو۔

ان آیات کے علاوہ وہ آیات بھی قابل غور ہیں جن میں مومنوں کی امتیازی خصوصیات کا ذکر ہے مثلاً الزاریات کی آیت ۱۹ اور سورہ المعارج کی آیت ۲۴ ان دو آیات میں ''مال میں جس کا حق'' کا عام لوگوں کے لیے ذکر ہے اس سے بالاتفاق زکوٰۃ مفروضہ کے علاوہ مال مراد ہے۔ اس تفصیل کے بعد کس قدر اجتماعی معیشت پر گفتگو ہوئی۔ اسلام نے اجتماعی نظم معیشت کا جو خاکہ پیش کیا اس کا تعلق بہر صورت خلافت حکومت سے ہے لیکن انہی تفصیل کے حوالہ سے اس کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ممکن ہے۔ براہ راست ادارہ خلافت سے متعلق اور دوسرا پبلک کے اعمال کے واسطہ سے خلافت سے متعلق ہے۔

پہلی شق میں بیت المال کا قیام، زمین سے متعلق احکامات اور جملہ شعبہ ہائے مال پر کنٹرول کی ضمنی شقیں شامل ہیں۔ دوسری میں انفاق کا وجوب اکناز و احتکار کی حرمت اور حلال و طیب کسب معیشت شامل ہیں۔ پہلی شق کے جملہ متعلقات کی نمبروار فہرست اس طرح پیش کی گئی ہے۔

بیت المال کا قیام
اعداد و شمار کا نظم
وظائف کا تقرر
وسائل معیشت کی توسیع
انفرادی ملکیت کی تحدید
سرمایہ و محنت میں توازن کے اصول
زمین سے متعلق خصوصی احکامات
اور دوسرے حصے کی تفصیل اس طرح سامنے آتی ہے
صدقات نافلہ

اوقاف

ہبہ

وصیت

قرض حسنہ

عاریت

امانت [۵۳]

تمام معاشی سسٹم کو منظم طور پر کنٹرول کرنے کے لیے حکومت ابتدائی ذمہ داریوں میں بیت المال کا قیام لازم ہے جس کی مدات آمدن و خرچ کا نقشہ اس طرح بنتا ہے۔

آمدن کی مدات

عُشر

خراج

جزیہ

زکوۃ ___ صدقات ___ فئی ___ خمس ___ ضرائب ___ کراء الارض

عشور ___ وقف ___ اموال فاضلہ ___

خرچ کی مدات

رفاہ عامہ

وظائف ____ تعلیمی ____ فوجی ____ انفرادی ____

مصارف ثمانیہ (آٹھ شقیں جو خرچ کے سلسلہ میں قرآن عزیز کی آیت ۶۰ سورہ التوبہ میں مذکور ہیں) اور شعبہ ہائے حکومت کے مصارف۔ [۵۳]

اس مرحلہ پر اس بات کا سمجھنا ازبس لازم ہے کہ اسلام ایک ایسے اجتماعی نظام کا علمبردار ہے جو دنیا و آخرت کو ساتھ لے کر چلتا اور محض کسی ایک پر اکتفا کا قائل

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

نہیں وہ محض دنیا داری کا نظام ہے۔ نہ محض رہبانیت و مروجہ نام نہاد دینداری کا۔ وہ ایک ایسے انقلاب کا داعی ہے جو مختلف شعبہ ہائے حیات میں بھرپور اصولی راہنمائی کرتا ہے اور معاش و معاشرت اور اقتصاد و حکومت میں مخصوص شرائط کے ساتھ ایک جماعت کو وقتی مسائل کے لیے استنباط و اجتہاد کی اجازت دیتا ہے۔[۵۴]

ایسی جماعت خلافت کی حامل ہوتی ہے جسے ’’نیابت الٰہی‘‘ کا منصب بلند اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ اپنی تمام تر وجاہت و احترام کے باوصف انسانیت کی گردن پر سوار ہونے کا اسے حق حاصل نہیں ہوتا۔ یہ ادارۂ خلافت ایسا ہوتا ہے کہ اسلام کو بطور دین مان کر اس سے وابستہ جماعت مسلم کہلاتی ہے جب کہ ایک جماعت انحراف کا راستہ اختیار کر لیتی ہے۔ انحراف کرنے والی جماعت مقابلہ کا روّیہ اختیار کر کے ’’حربی کافر‘‘ کہلاتی ہے تو صلح و صفائی سے رہنے والی ’’مسالم‘‘ اور وقتی طور پر اجازت سے کوئی فائدہ حاصل کرنے والی ’’مستامن‘‘ ان میں ہر طبقہ و جماعت کے لیے مستقلاً قرآن میں احکامات و ہدایات ہیں۔[۵۵]

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

> کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں۔ موالات، دوستی، مدارت (ظاہری رکھ رکھاؤ) مواسات (احسان و نفع رسانی) ان معاملات میں تفصیل یہ ہے کہ موالات تو کسی طور جائز نہیں مدارت سب حالت میں درست ہے دفعہ ضرر کے لیے۔ توقع ہدایت کے لیے۔ اکرام ضیف کے لیے، مواسات اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز۔[۵۶]

اسلام کے مرکزی بیت المال کا مسلم اور غیر مسلم ہر طبقہ کے ساتھ کسی نہ کسی طرح ضرور تعلق ہے اس لیے یہاں اس طرف اشارہ کیا گیا ان تمام مسائل پر

اسلامی علوم کے ایک نہایت مہتم بالشان حصہ ''علم الفقہ'' (قرآن وحدیث کے بعد سب سے اہم) میں تفصیلاً بحث کی گئی ہے اور اجتماعیات پر مستقل ابواب فقہ کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں موجود ہیں۔

حکومت دیانت واخلاص اور پوری احتیاط کے ساتھ اجتماعی معاملات پر فیصلے کرتی ہے جس سے ہر طبقہ برابر مستفید ہوتا اور ایسے عادلانہ نظام سے ایک دنیا فائدہ اٹھاتی ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کا وقت نہیں دو حوالے البتہ ضرور نقل ہیں۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں ''سوادِ عراق'' کی زمینوں کا معاملہ ہماری اجتماعی زندگی کا بڑا اہم معاملہ ہے جس میں مجاہدین اور فوجی حضرات کا مطالبہ تھا کہ یہ ہمارے اندر تقسیم کی جائیں لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وسیع پیانے پر مشاورت کے بعد اس مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت الامام ابو یوسف حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

> حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بہترین فیصلہ ہے کہ اس پر مسلمانوں کی اجتماعی فلاح کا راز تھا، زمین کا خراج اکٹھا کر کے اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا۔ مجاہدین میں زمین تقسیم ہو جاتی تو اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت خطرہ میں پڑ جاتی (کہ مجاہدین کھیتی باڑی پر لگ جاتے) اور اجتماعی وظائف وغیرہ کا اہتمام نہ ہوتا تو مسلم دنیا بے چینی کا شکار ہو کر عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی۔ [۵۷]

فرائض امیر کی بحث میں سید علی زادہ فرماتے ہیں:

> امام اپنی مملکت کے اندر کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے۔ نہ کسی قرض دار کو قرض دار باقی رکھے نہ کسی کمزور کو بے یار و مددگار رہنے دے نہ کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم کرے نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور ہر ننگے کو لباس مہیا کرے۔ [۵۸]

اس ادارہ خلافت کی ہیت کذائی اس میں امیر اور شوریٰ اور رعایا کے فرائض و

حقوق وغیرہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔

بخاری مسلم، ترمذی اور مشکوٰۃ کے متعلقہ ابواب (خلافت امارت وغیرہ)
کتاب الاموال ابوعبید، مجمع الزوائد، جامع ابن عبدالبرؒ، السیاسیۃ الشرعیہ الابن تیمیہؒ، کتاب الخراج ابی یوسفؒ، حسن المحاخرہ، الاسلام والحضارۃ العربیہ، اشہر مشاہیر الاسلام،

وقت فرصت ہوتا تو ہم اس موضوع پر بہت تفصیل سے عرض کرتے۔ بہر حال اس نظام کا جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ برعظیم کے مخلص و نامور مفکر کی زبان سے سُن لیں۔

> اسلام نے سوسائٹی کا جو نقشہ بنایا ہے۔ اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہوں گے نہ مفلس و محتاج طبقے ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔ [۵۹]

گذشتہ گفتگو میں جو باتیں سامنے آئیں ان میں ’’اعداد و شمار‘‘ کا ذکر ہے۔ ایک سطحی قسم کا انسان سوچے گا کہ نظام معیشت میں اس کا کیا تعلق؟ لیکن آج کے دور میں مردم شماری کی جو اہمیت ہو چکی ہے اور کسی سٹیٹ اور آبادی کے ناطہ سے ریکارڈز کی جو مختلف صورتیں سامنے آ چکی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ سیّدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں تو حالات کے تحت ایسا موقع میسر نہ آیا لیکن دور فاروقی میں اس کا پورا اہتمام ہوا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی بڑا چھوٹا کافر یا مسلمان ایسا نہ رہا جو مردم شماری کے کاغذات میں مندرج نہ ہو اور اسی کے نتیجہ میں چاروں طرف نظر ڈالنے سے بھی کوئی محروم نہ تھا۔ اس موضوع پر جو اکابر و ائمہ نے اپنی تصنیفات میں تفصیلی گفتگو کی ان میں حضرت الامام ابو یوسف الحنفی امام ابوعبیدہ، امام طبری، علامہ ابن کثیر اور امام مقریزی شامل ہیں، اس ذریعہ سے ہر

مزید ہمیں طلبہ کے وظائف کا بھی ثبوت ملتا ہے اور ایسے ہی طبقات کے لیے اہتمام لازم ہے۔ [۲۴] چوتھا شعبہ ان حضرات کا تھا۔ جو فقراء مساکین اور محروم المعیشت حضرات کا ہے۔ اس میں قرآن و سنت اور فقہ اسلامی میں بہت تفصیلات ہیں۔ معاشرہ کے امراء سے لے کر فقراء کی خدمت تو مشہور بات ہے۔ مسلم کتاب الزکوۃ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> بعض حضرات جو فاقہ زدہ تھے ان کو دیکھ کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رنگ سُرخ ہو گیا اور خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انسانوں کے برابر ہونے کا ذکر کر کے فرمایا کہ ضرورت مندوں کی خبر از بس لازم ہے اور قیامت کی مسؤلیت سر پر ہے۔

ایسے محروم المعیشت افراد کے لیے باقاعدہ ماہانہ وظائف (ضرورت کے مطابق نہ کہ ہماری طرح (۲۰ یا ۴۰ روپے ماہانہ) مقرر کیے گئے۔ [۲۵] جو غیر مسلم اسٹیٹ میں رہ کر کوئی اہم خدمت از قسم فوجی وغیرہ ادا کرتے انہیں ترجیحی بنیادوں پر وظائف ملتے یا اعانت ہوتی [۲۶] اس سلسلے میں ایک حکم ملاحظہ فرمائیں جو اسلام کے سنہری دور کا ہے۔ یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو خزانچی کے نام ہے۔

> اسٹیٹ کے حاجت مندوں کی تفتیش کرو۔ اللہ کی قسم ہم انصاف پسند نہیں کہلا سکتے کہ ذمیوں کی جوانی میں ان سے جزیہ لیں اور بوڑھے ہو جائیں تو انہیں بھیک مانگنے پر لگا دیں۔ قرآن کی آیت **انما الصدقات للفقراء والمساکین** سے مفلس مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب کے غربا مراد ہیں۔ چنانچہ مفلس اہل کتاب سے جزیہ معاف اور ان کے وظائف کا حکم دے دیا گیا۔ [۲۷]

اگر ذمیوں میں سے کوئی بڑھاپے کے سبب کمانے کے قابل نہ رہے یا کسی آفت کے سبب کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے یا کوئی مالدار محتاج ہو جائے تو ایسے تمام اشخاص سے جزیہ معاف ہے اور بیت المال ان کا اور ان کے اہل و عیال کا کفیل ہے۔[۴۸]

ایک اصولی گفتگو وہ ہے جو ''مختصر مختار الکونین'' میں ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

انسانی ضروریات میں تین چیزیں لازم ہیں مرد و عورت سبھی اس میں برابر ہیں حکومت پر لازم ہے کہ ہر کسی کے لیے اس کی حیثیت سے قطع نظر تین چیزوں کا اہتمام کرے اوّل کھانے پینے کی سہولت، دوسرے لباس کی سہولت، تیسرے ازدواجی زندگی کی سہولت۔[۴۹]

بدائع صنائع میں ہے:

متکفل حکومت (یا کوئی اور) پر لازم ہے کہ وہ صاحب حاجت کے کھانے پینے لباس اور مکان کا تکفل کرے۔ شیر خوار بچہ ہو تو اس کے دودھ کا اہتمام کرے۔ صاحب حاجت کسی خادم کا محتاج ہے تو اس کا اہتمام بھی لازم ہے۔[۵۰]

سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ تو بالکل مساوات کے قائل ہیں اور ان کا یہی عمل تھا۔

بعض حضرات نے کہا کہ اسلام و ہجرت اور جہاد میں مقدم حضرات کو ترجیح دیں تو فرمایا:

میں اس فضیلت کو خوب جانتا ہوں۔ مگر اس کا ثواب اللہ تعالی کے ذمہ ہے۔ معاش کے معاملہ میں مساوات ہی بہتر ہے۔[۵۰]

سیّدنا عمر فاروق نے اس پالیسی کو تبدیل تو کیا آخر میں فرمایا کہ آئندہ سال زندہ رہا تو صدیقی پالیسی رائج کردوں گا، حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ بھی صدیقی پالیسی کے قائل تھے۔ [۲]لیکن حضرت فاروق کو مجوسی سازش کا شکار ہونا پڑا جس کے پیچھے اصل سازش اہل سرمایہ و ثروت ہی کی تھی جو فارس وغیرہ کے رہنے والے تھے۔ وظائف کی تقسیم اور اس میں فرق و تفاوت ایک فطری بات ہے اور اس پر حکیم الامت امام ولی اللہ دہلوی نے بہت خوب گفتگو کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ سبھی لوگ ایک ہی کام پر مشغول ہو جائیں مثلاً تجارت میں یا زراعت میں تو فساد پیدا ہو جائے گا اس لیے رجال کار کی تقسیم اور وظائف کی تقسیم اور تفاوت بالکل فطری حقیقت ہے۔ [۳]

رہ گئے ایسے لوگ جو کام کرنے کی بجائے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں اور بیت المال پر بوجھ بن جائیں ان کے رویہ کو بھی شاہ صاحب معاشرتی فساد کا سبب گردانتے ہیں۔ [۴]

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کس طرح معاشی مسئلہ کا حل نکالتا ہے۔ کمانے والے کمائیں اس میں سے خود بھی خرچ کریں سوسائٹی کا حق ادا کریں۔ سوسائٹی کی مصالح میں مشغول لوگوں کی سوسائٹی متکفل ہو اور محروم المعیشت افراد کی بھی کفالت کی جائے یعنی یا تو سرمایہ فراہم کر کے انہیں کام پر لگایا جائے یا ان کو معقول وظائف دیئے جائیں۔ ہمارے معاشرہ میں زکوۃ کے نام پر جو اندھیر گردی ہے اس کا کہیں ثبوت نہیں۔ ایک غریب شخص یا عورت کو ۲۰/۱۰ روپے ماہانہ وظیفہ اتنی بڑی دھاندلی اور بدبختی ہے کہ الامان۔

ذرا وسائل معیشت کی توسیع پر بھی کلام ہو جائے اس امر کو سمجھ لیں کہ علم المعیشت کی نگاہ میں معاش کے بنیادی وسائل زراعت تجارت اور صنعت ہیں۔

اصل اور دولت حقیقت کے لیے ایک ہی چیز ہے لیکن فرق یہ ہے دولت کو حامل پیدائش بنانا، اس طرح کہ اس سے مزید دولت پیدا ہو تو اسے ''اصل'' کہتے ہیں اور اگر اس کو ثمرہ پیدائش اور ماحصل سمجھیں اور اس سے مزید دولت پیدا ہونے کی بجائے اس سے انسانی حاجتیں پوری ہوں تو اسے دولت کہتے ہیں۔ مثلاً سکونت کا مکان دولت ہے اس کا کارخانہ چلانا یا کرایہ پر دے دینا اصل کہلاتا ہے گویا کہ کرایہ پر چلنے والی گاڑی اصل ہے تو سیر و تفریح کی گاڑی دولت ہے۔ [۴۵]

اس سے توجہ دلانا اس طرف مقصود ہے کہ آدمی جو ہے اس پر ہاتھ باندھ کر نہ بیٹھ جائے۔ ترقی کے وسائل تلاش کرے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

> زراعت، جانوروں کی پرورش، معدنیات، نباتات اور حیوانات کا خشکی اور تری سے حاصل کیا جانا اور نجاری، لوہاری، پارچہ بافی وغیرہ کی صنعتیں یہ اور اس قسم کی وہ تمام چیزیں کہ جن کے طبعی جوہر سے نفع مطلوب حاصل ہو سکے۔ اصول معاشیات کہلاتی ہے۔ [۴۶] اس لیے بدلے ہوئے حالات کے ساتھ آگے بڑھنا اور نئے وسائل اختیار کرنا ازبس لازم ہے "**انتم اعلم بامور دنیاکم**" جناب خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسی ضمن میں ارشاد ہے کہ اس میں تجربات وغیرہ کا لحاظ کر کے مزید وسائل حاصل کرنا اور اضافہ کی تدابیر کرنا اپنی جگہ بالکل درست بلکہ ضروری ہے۔

انسان مدنی الطبع ہے اس کی زندگی باہمی تعاون کے بغیر درست نہیں رہتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے امدادِ باہمی کو لازم قرار دیا۔ نیز ضروری ہے کہ معاشی وسائل کو وسیلہ بنانے کیلئے اموال مباح کو قبضہ میں لیا جائے۔ مثلاً مویشیوں کی افزائش نسل آب پاشی اور اصلاح زمین کے ذریعہ زراعت وغیرہ کو ترقی دی جائے۔ اور سارا نظام اس طرح کیا جائے کہ دوسروں کے لیے معاشی تنگی نہ پیدا ہو۔ ورنہ

نظام تمدن فاسد ہو کر رہ جائے گا۔[77]

اس ضمن میں تفصیلات بہت زیادہ ہیں۔ زراعت ہی کے حوالہ سے طویل ابحاث ہیں۔ سب سے اہم بحث یہ ہے کہ آیا زمینیں بٹائی پر دی جا سکتی ہی؟ اہل نظر کی رائے ہے کہ نہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد طاسین کا مقالہ قابل لحاظ ہے۔ مسلم دنیا میں گنے چنے جاگیرداروں سے زرعی زمینیں واپس لے کر عاملین میں تقسیم کر دی جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ کتنا بڑا انقلاب آتا ہے۔ زمین ایسی چیز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو۔[78]

حضرت الامام سرخسی اس ضمن میں فرماتے ہیں
کہ حضور اقدس کے ارشاد سے زراعت و کاشتکاری مراد ہے۔

زراعت میں مال گزاری اور گھات اس طرح ہو کہ کاشتکاروں کو زحمت نہ ہو۔
بقول سیّدنا عمرؓ تم نے زمین پر خراج کس مقدار سے مقرر کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے تم نے کاشتکاروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔[79]

مزید ارشاد ہے:
خراج مقرر کرتے وقت اچھی طرح دیکھ لو کہ لگان زمین کی نوعیت سے زیادہ نہ ہو۔[80]

خراج زیادہ سے زیادہ جس مقدار میں درست قرار پاتا ہے وہ یہ ہے کہ لگان پیداوار سے نصف ہو۔[81]

خراج اور عشر دو الگ الگ مدات ہیں جن میں سے ایک کی مقدار مقرر ہے (یعنی عشر کی) دوسرے کی نہیں۔ پھر عشر سال میں ہر فصل پر ہے۔ لگان سال میں ایک مرتبہ ہے عشر پیداوار پر کسی شکل میں معاف نہیں۔ لگان کے لیے خلیفہ معاف

کر سکتا ہے۔ [۸۲] مخصوص افراد اور طبقات کو یا حکومت خود ضرورت سے زائد چراگاہوں کے لیے زمین سنبھال کر رکھ لے۔ درست نہیں۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> چراگاہوں کا دستور لوگوں کی ضروریات میں دشواری کا باعث تھا اور مفاد عامہ کیلیے ظلم۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناجائز قرار دیا۔ [۸۳]

ملک میں بنجر زمین نری بے برکتی ہے اس لیے مسئلہ یہ ہے:

> کہ خلیفہ ایسی اور لاوارث زمین بانٹ دے اور اس طرح کہ سب مسلمانوں کے لیے بھلائی اور فائدہ ہو۔ [۸۴]
>
> اور ایسی زمین جو آباد کرے گا اس کی ملکیت ہوگی۔ [۸۵]
>
> اور جو شخص ایسی زمین لے کر آباد نہ کرے اس سے حکومت فوری طور پر واپس لے لے۔ [۸۶]

حکومت پر لازم ہے کہ وہ آب پاشی کے لیے نہریں اور دوسرے ذرائع استعمال میں لائے اور ان کا انتظام کرے۔ قدرتی پانی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا البتہ جہاں خرچ ہو گا وہ حکومت برداشت کرے اور حکومت کے خزانہ میں گنجائش نہیں تو حکومت اہل دول پر جبر کر کے ان سے مدد لے۔ [۸۷]

زمین کی ملکیت انفرادی بیشک جائز ہے لیکن اس طرح نہیں کہ ایک شخص لاکھوں، ہزاروں ایکڑ کا مالک ہو اور دوسرا ایک ایکڑ کا بھی مالک نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ایک الگ بحث کی ضرورت ہے۔

وسائل معیشت میں زراعت کے بعد تجارت دوسرا وسیلہ ہے اور بہت اہم جسے ''اکبر الوسائل'' کہا گیا ہے۔ [۸۸]

تجارت کی ترغیب سے متعلق قرآن وسنت میں
بہت کچھ موجود ہے اسے رفاہیت کا سبب بتلایا گیا ہے۔[۸۹]

تجارت میں ایک اصول یہ ہے کہ دوسروں کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع رسانی کا اہتمام ہو۔[۹۰]

جانبین کی حقیقی رضا اس میں موجود ہو۔[۹۱]

معاملہ کرنے والے حالات سے باخبر اور باشعور ہوں۔[۹۲]

معاملات میں کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو اور معصیت کی کوئی شکل نہ ہو۔[۹۳]

تیسرا اہم شعبہ صنعت وحرفت کا ہے۔ گو اسلام کا ابتدائی دور مشینوں اور ملوں کا نہ تھا لیکن دستی صنعتیں بہر حال تھیں۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کی ذرہ سازی اس سلسلہ میں سب سے اہم ہے۔ حضور اقدسؐ کے بقول اچھی کمائی ہاتھ کی کمائی ہے۔[۹۴]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسب معاش کے لیے بہترین ذریعہ دستکاری کو بتلایا[۹۵] بہر طور دستکاری وصنعت وسائل معیشت کا اہم شعبہ ہے جس کی

ابتداء گھریلو اور دستی صنعت سے ہوئی اور اب مشینوں اور ملوں کا دور آ گیا جس سے چہل پہل تو بہت ہوگئی مگر بقول کسے ''احساس مروت'' بھی کچلا گیا۔

ایک بات اور نوٹ فرمالیں کہ تجارت وصنعت کی دنیا میں شرح تبادلہ اور محصولات درآمد و برآمد کا بڑا دخل ہے۔

اسلام کے دور اولین میں پہلی بات نہ تھی کیونکہ مال کا تبادلہ مال سے ہوتا کہیں کہیں ٹکسال اور سکوں کا اہتمام تھا۔ البتہ دوسری چیز اس زمانے میں بھی رائج تھی۔

آج کی مہذب حکومتیں قومی نفع کا سوچتی ہیں۔ انسانیت کو کتنا ہی نقصان

پہنچے۔ اسلام کا یہ مزاج نہیں کہ وہ عالمگیر انسانیت کا علمبردار ہے۔

وہ کسی ترجیحی سلوک کا قائل نہیں وہ اشیائے صرف و ضرورت کے لیے کہتا ہے کہ انہیں بلا روک ٹوک اِدھر اُدھر آنے دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق فائدہ اٹھا سکے۔ ہاں اگر انسانی برادری کا کوئی حصہ کسی وجہ سے رکاوٹ پیدا کرے تو پھر دفع مضرت کے لیے ایسا ممکن ہے جیسا کہ دور فاروقی میں اطلاع آئی کہ یہودی اور عیسائی ممالک میں مسلمان تاجروں سے محصول لیا جاتا ہے تو آپ نے بھی عدل کے دائرہ میں اس کی اجازت دے دی اس کا نام ''عشور'' ہے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ تاجر سے سال میں ایک ہی بار محصول لیا جائے چاہے وہ کتنی بار مال لائے اور لے جائے۔ اور پھلوں وغیرہ جیسی اشیاء پر مطلق محصول نہ تھا۔[۵۶]

مسلمانوں نے اس لائن میں تجارت کو جس طرح وسعت دی اور عام دائروں میں اس سے جو منافع ہوا ان سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔[۵۷]

ضرورت کے تحت خلافت راشدہ میں ٹکسال بھی قائم کی گئی۔ علامہ تبریزی نے کتاب ''النقود الاسلامیہ'' میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور ماوردی نے احکام السلطانیہ میں مزید تفصیلات فراہم کی ہیں۔ گویا اسلام شرح مبادلہ میں امام اور راس کی شوریٰ کی رائے پر چھوڑتا ہے تو کسٹم ڈیوٹی میں اپنی طرف سے سختی کا قائل نہیں۔

علی پاشا مصری کہتے ہیں:

> اقتصادی مسائل میں دو مذہب ہیں ''آزاد تجارت'' جس کا مفہوم یہ ہے کہ برآمد ٹیکس نہ ہو۔ دوسرا مذہب ترجیحی تجارت کا ہے جس میں بوقت ضرورت ایسا ممکن ہے۔[۵۸]

اس میں دوسرے مذہب میں بغض و عناد کی بو آتی ہے جس کا اسلام قائل نہیں اسلام کا نقطہ نظر ہے:

الناس کلھم سواسیة (ارشاد رسولؐ)

تمام انسان انسانیت کے حقوق میں برابر ہیں۔

اگر اخوت و مساوات اور اخلاق و فاضلہ کی دنیا میں ہوا چل پڑے اور لوگ ملکوں اور قوموں سے بالاتر ہو کر اسلام کے اصول انسانیت کے نقطۂ نظر سے سوچنا شروع کر دیں تو دنیا میں بھوک، افلاس، قحط یہ سب ختم ہو کر رہ جائے لیکن افسوس یہ ہے کہ غیر مسلم تو ہے اپنی جگہ مسلم دنیا بھی حقیقی مساوات اور ہمدردی سے محروم ہے۔ حتیٰ کہ ہر ملک اپنے دائرہ کے اندر بھی شرافت و مروت کا رویہ نہیں اپنا سکتا۔ فیا حسرتا

تجارت ہی کے ضمن میں اسلام بدعنوانیوں کا سدباب کرتا ہے مثلاً احتکار (دولت کا سمٹ کر کسی طبقہ میں محدود ہو جانا) اکتناز (دولت کے خزانے افراد کے ہاں جمع ہو جائیں) اسی طرح قمار اور سٹہ کا حال ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا زمین پر ان کے معاش کا نظم فرمایا اور اس سے نفع حاصل کرنے کا موقعہ انہیں بخشا تو انسانی برادری جنگ و جدل کا شکار ہو گئی۔ تب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا کہ ذاتی محنت، وراثت یا کسی دوسرے جائز طریق سے کسی چیز کا مالک ہے۔ اس کی چیز میں کوئی دوسرا شخص مزاحمت نہیں کر سکتا البتہ بدل کے مختلف صحیح طریقوں سے اسے حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ معاملہ صحیح اصولوں پر ہو اور ایسا معاملہ جس میں دوسرے کو نقصان پہنچا کر خود نفع حاصل کرنا مقصود ہو جیسے ''قمار'' تو ایسی جملہ چیزیں حرام محض ہیں۔[99]

اسی مد میں سود آتا ہے جس کی برائی اور شناعت پر قرآن و سنت کی دسیوں آیات اور احادیث موجود ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس نام ونہاد علمی دور میں جواز سود کے لیے علمی بنیادیں فراہم کرنے کی جسارت کر کے چالاک یہود کی فکر سے بینکاری سسٹم بنا لیا گیا اور ایسی ہی اور تدبیریں اختیار کر لی گئیں۔ جبکہ سود خور کو اللہ

اور اس کے رسول سے جنگ کا چیلنج ہے۔ [illegible] اور مدد لینے دینے والا سبھی لعنتی ہیں اور اس کی ہر شکل حرام محض نجس اور بدترین ظلم ہے۔

"واضح رہے کہ جوا حرام اور باطل چیز ہے اس لیے کہ دراصل وہ لوگوں کے مال کو زبردستی اچک لیتا ہے اور اس کی تہہ میں جہل، حرص، امید باطل اور فریب و دھوکہ کارفرما ہوتے ہیں اور اس میں امداد باہمی اور تمدن کا ادنیٰ سا بھی دخل نہیں ہوتا۔ دیکھیے جوئے میں اگر شکست خوردہ اپنے حریف کے مقابلے میں خاموش رہتا ہے تو غیظ و غضب اور حسرت و ندامت کے ساتھ خاموش رہتا اور اگر ضبط نہیں کر سکتا تو جنگ و پیکار اور قتل و خونریزی پر آمادہ ہو جاتا ہے اور کامیاب حریف اس کی حرماں نصیبی سے لذت محسوس کرتا اور اس کی تباہی بربادی اور ہلاکت پر مسرت و خوشی کا اظہار کرتا ہے اُس کی حرص و آواز بڑھ جاتی ہے اور ہر وقت اسی جنون میں سرگرداں رہتا ہے۔ جوئے کی عادت، مال کی تباہی اور فسادات کی ترقی کا باعث ہوتی ہے۔ اور سب سے زیادہ مضرت یہ ہے کہ اس کی بدولت جو صحیح اقتصادی سہارے ہیں وہ بیکار ہو جاتے ہیں اور جس امداد و تعاون پر تمدن کی بنیاد قائم ہے وہ معطل ہو جاتے ہیں۔ روزمرہ کا مشاہدہ اس کا خود شاہد عدل ہے اسی طرح سود (جو ایسے قرض پر روپیہ دینے کا نام ہے جس پر نفع کے نام سے زیادتی وصول کی جاتی ہے) باطل اور حرام ہے اور سرتاسر ظلم ہے اس لیے کہ اس قسم کے قرض لینے والے عام طریقہ سے مفلس اور مضطر ہوتے ہیں وہ بیشتر مدت معین پر رقم ادا کرنے سے کوتاہ رہتے ہیں اور یہ سود "سود در سود" کے نام سے بڑھتا رہتا ہے یہ "لین دین" سخت جھگڑوں کا باعث اور عظیم الشان مناقشوں کا سبب بنتا ہے اور جس قوم یا ملک میں یہ بے محنت روپیہ حاصل کرنے کا رسم و رواج جڑ پکڑ جاتا ہے وہاں عوام کے لیے صنعت و حرفت زراعت اور تجارت کی صحیح راہیں بند ہو

> جاتی ہیں جو ذرائع آمدنی کے لیے فطری اصول ہیں۔
>
> معاملات میں اس سے زیادہ ''باریک اور پیچیدہ'' دوسرا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔ جس میں ظاہری نفع کی صورت میں حقیقی تباہی و بربادی مضمر ہو۔ دراصل یہ دونوں معاملات خاص قسم کے نشے ہیں جو خدا کے بتائے ہوئے قانون اور ذرائع آمدنی کے صحیح طریقوں کے استعمال کے خلاف ہر انسان کو آمادہ کرتے ہیں اور تمام نشوں سے زیادہ فسادات عداوت باہمی، انسان کشی کے باعث بنتے ہیں اس لیے اسلام نے ان دونوں کو ظلم اور باطل قرار دیا اور چوں کہ سود کی دو قسمیں ہیں ایک بیان کردہ صورت جو حقیقی ربا کہلاتی ہے اس لیے اس کو بغیر کسی قید و بند کے حرام کر دیا اور دوسری ''رباء فضل'' کہلاتی ہے۔ جیسا کہ سونے اور چاندی کا کمی بیشی سے لین دین کرنا وغیرہ اس لیے ان اشیا کے خرید و فروخت کے جواز کو تسلیم کرتے ہوئے ان تمام صورتوں کو حرام بتایا جن کا نتیجہ سودی لین دین کے موافق نکلتا تھا تاکہ اس غیر فطری کاروبار کا پوری طرح انسداد ہو جائے۔[۱۰۱]

اسلام نے امداد باہمی کے جو صاف ستھرے اصول بتلائے تھے ان کے مقابل کواپریٹو سوسائٹیاں دور حاضر کی یہودی ذہنیت کی کارفرمائی ہے جس میں غریب کاشتکاروں، مزدوروں اور متوسط طبقات کے لیے بظاہر بھلائی کا تصور ہے لیکن سود کی آمیزش نے ان کا انجام بھی مصیبت کا باعث بنا دیا ہے۔

امداد باہمی کے لیے تجارت کی ایک شکل مضاربت بہترین اصول ہے جس سے بہت سے ستم رسیدہ لوگ سنبھل جاتے ہیں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> باہمی معاونت کی چند اقسام ہیں ان میں سے ایک مضاربت ہے کہ ایک شخص کا مال ہو تو دوسرے کی محنت اور فریقین کی باہمی رضامندی سے نفع کا فیصلہ ہو۔[۱۰۲]

اسی طرح کی اور بھی شکلیں ہیں جو فقہ کے متعلقہ ابواب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ سود وغیرہ کی طرح مسکرات کی تجارت بھی حرام محض ہے کہ اس میں تمدن کا فساد لازم آتا ہے کتب فقہ میں ہے۔

> مردار، خون، شراب، سود، مدبر، مکاتب، ام ولد کی تجارت حرام ہے کہ تجارت کے ایک رکن یعنی مال کے ساتھ مال کا تبادلہ یہاں معدوم ہے۔[۱۰۳]

بطور تتمہ یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام ذاتی ملکیت سے تو نہیں روکتا یعنی اصول کو تسلیم کرنے کے باوصف تحدید ضرور لگاتا ہے اور اس نے بعض اشیاء کو عام فائدہ کے لیے مباح قرار دیا ہے۔ ایسی اشیاء کسی کا حق نہیں، ہر فرد ان سے یکساں فائدہ اٹھاتا ہے اور ذاتی ضرورت کے لیے اس نے جو حاصل کیا اسی کا وہ مالک ہے اور بس سٹیٹ کا فرض ہے کہ ایسی چیزوں کا نظام مفاد عامہ میں اپنے ہاتھوں میں لے لے اور جمہور کی ملکیت کے نام پر ان کی بہتری کے لیے مناسب تصرف کرے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے کانوں کا نمبر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں ترمذی کتاب الیسوع کے حوالہ سے علماء نے کہا کہ

> کانوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا میٹریل ظاہر ہو اس کے برآمد کرنے کے لیے زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ دوسری وہ جن میں سرمایہ محنت کی ضرورت ہو۔[۱۰۴]

پہلی قسم کی کانوں کو کسی کی ملکیت میں دے دینا جائز نہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> سطح زمین سے وابستہ ایسی کانیں جن میں زیادہ محنت ومنفعت کی ضرورت پائیں۔

ان کا کسی ایک شخص کو بخش دینا عام لوگوں کے لیے نفرت کا باعث ہے۔ اس

Iqbal Cyber Library
All rights reserved
©2002-2006

فرمایا:

یہ طبقہ خود اور ان کی خواتین نت نئے تنعم کے اسباب فراہم کرتا ہے اور یہ کہ عام لوگوں پر اس سے سخت مصیبت آ جاتی ہے۔ ایسی ہی صورت حال میں انقلاب کی لہریں اٹھ کر سب کچھ بہا لے جاتی ہیں۔ [۱۰۸]

تحدید سے آزاد سرمایہ داری پر بند باندھنے کی غرض سے زکوٰۃ کا نظام ازبس لازم ہے جو گو عام طور پر ۲ ۱/۲ فیصدی ہے۔ لیکن بہر حال اس سے سرمایہ دار کی اصلاح ضرور ہوتی ہے اور وہ بد اخلاقی کی بہت سی امراض سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب کا اقتباس ہے:

واضح رہے کہ ''زکوٰۃ'' میں دو مصلحتوں کی رعایت پیش نظر رکھی گئی ہے (۱) تہذیبِ نفسی (۲) مدنی و اجتماعی حاجات کا انسداد۔ تہذیبِ نفس سے مراد یہ ہے کہ ''مال'' بخل، خود غرضی، جنسی عداوت، جنسی بد اخلاقیاں پیدا کرتا ہے اور ان بد اخلاقیوں کے انسداد کا بہترین علاج ''انفاق'' یعنی صرف مال اور سخاوت ہے۔ اس سے بخل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ خود غرضی مٹ جاتی ہے اور عداوتِ جنسی کی بجائے جنسی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی جنسی محبت ان تمام اخلاقِ کریمانہ کی اساس و بنیاد ہے جو انسان کو حسن معاملت کا خوگر بناتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ''انسان'' اخلاقِ حسنہ کا پیکر بن جاتا ہے جو انسان کا نام تہذیب نفس ہے اور زکوٰۃ مدنی و اجتماعی حاجات کے انسداد کا بہترین علاج ہے اس لیے کہ نظام مدنی اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس نظام میں مضبوط ''مالی نظام'' موجود نہ ہو تا کہ اسکے ذریعہ سے مدنی نظام کے اعلیٰ و ادنیٰ اعمال اور رعایا ''پبلک'' کے مناسبِ حال حاجات و ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ نیز فقراء، مساکین، ضعفاء، یتامیٰ، بیوگان اور اسی قسم کے دیگر حاجتمندوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ذلیل و رسواء ہونے سے محفوظ

رہیں اور حکومت اُن کی پوری کفالت کر سکے اور یہ تمام مشترک ذمہ داریاں اسی طرح پوری ہو سکتی ہیں کہ منجملہ دیگر ذرائع آمدنی کے حکومت کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اہل سرمایہ سے وصول کی زکوٰۃ کی شکل میں حاصل ہو۔

یہی وجہ ہے کہ فطرت و عقلِ سلیم کے تقاضا کے مطابق اسلام نے اس ٹیکس کو چار اصناف میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اس مال سے ''زکوٰۃ'' لی جائے جس میں نمو اور ترقی کی استعداد ہو اور اس کی تین قسمیں ہیں۔

ا) وہ جانور جو چراگاہوں میں اضافہ نسل کے لیے پالے جا رہے ہوں۔

ب) زراعت۔ ج) تجارت۔

۲۔ ان اشخاص سے لی جائے جو شریعت کی نگاہ میں اہل سرمایہ شمار ہوتے ہیں، جن کو قرآن عزیز میں اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ کہہ کر پکارا گیا (یعنی نقد چاندی یا سونا رکھنے والے)

۳۔ ان اموال میں لی جائے جو لوگوں کو بغیر محنت و تعب کے آسانی سے حاصل ہو گئے ہوں، جیسے خزانے کی دریافت یا جواہرات کی دریافت میں بھی اپنا مقررہ حصہ پائیں۔

۴۔ اہل صنعت و حرفت پر مقرر کی جائے۔

پھر اسلام نے موسمی حالات، اتفاقی حادثات، عام معاشی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے لیے ایک مدت معین کی۔ مقدار معین کی۔ نیز ضروریات و حاجاتِ عامہ کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا۔

اس تفصیل سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام نے اپنے فریضہ میں مدنی و اجتماعی اور اقتصادی حالات کی بہتری کا کس قدر خیال رکھا ہے بلکہ اس کی بنیاد ہی صرف دو امور پر قائم کی۔ انفرادی تہذیب نفس اور اجتماعی اقتصادی فلاح و

بہبود۔ ۱۰۹؁

زکوٰۃ کے علاوہ بھی صدقات واجبہ کی بہت سی شکلیں ہیں وہ نیز وراثت بھی ایسی ہی بے قید سرمایہ داری کے لیے ایک علاج کی حیثیت رکھتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> غور کرو! بلا شبہ عقل و حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان یہ ''طریقہ'' لازمی اور ضروری ہونا چاہیے کہ اہل قبیلہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور دردمندی و بہی خواہی کا ثبوت دیں اور ایک دوسرے کے نفع ونقصان کو اپنا ذاتی نفع ونقصان سمجھیں اور یہ بات ایسی خلقت اور جبلّت کے بغیر ناممکن ہے جس کی پشت پر اس کو مضبوط بنانے کے لیے خارجی اسباب اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے سنت متوارثہ موجود ہو۔ یہاں جبلّت تو اس علاقہ کا نام ہے۔ جو باپ اور بیٹے یا مثلاً بھائی بھائی کے درمیان موجود ہے اور اسی طرح دو یا چند عزیزوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔
>
> اور اسبابِ خارجی، باہمی اُلفت و مروت، رہنمائی، غمگساری و ہمدردی وغیرہ کا نام ہے کیونکہ یہ امور آپس میں محبت پیدا کرتے ہیں۔ مصائب و آلام میں ایک دوسرے کی اعانت و نصرت کے لیے بہادر بناتے ہیں۔
>
> اور سُنت، ان امور کو کہتے ہیں جن کو شریعت کی زبان لوگوں میں رشتہ اخوت پیدا کرنے کے لیے ضروری قرار دیتی اور اس کے نہ کرنے پر قابل ملامت ٹھہراتی ہے۔ مثلاً وہ حکم دیتی ہے کہ صلہ رحمی ضروری اور فرض ہے اور ایسا نہ کرنے والا آثم اور گنہگار ہے۔ مگر جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض انسانی طبائع بُرے خیالات اور بیہودہ افکار کے پیچھے لگی رہتی اور صلہ رحمی جیسے عمدہ اوصاف کے خلاف بغاوت کرتی ہیں اور بہت سے غیر ضروری کام کرنے پر آمادہ رہتی ہیں۔

تو ایسی حالت میں اس بات کی ضرورت ہوئی کہ اس قسم کے (اخلاقی) امور کو ضروری قرار دیا جائے اور لوگوں کے قبول و انکار سے بالاتر ہو کر اُن پر لازم کر دیا جائے۔ مثلاً عیادت مریض، مصیبت زدہ (مقروض اسیر وغیرہ) کی گلوخاصی، دیت اقرباء پر پڑے ہوئے تاوان کی ادائیگی۔ اپنے ذی رحم محرم کو غلامی سے نجات دلانا وغیرہ اس قسم کی معاونت و نصرت کا سب سے زیادہ استحقاق اس وقت ہو جاتا ہے جب انسان موت کے کنارے کھڑا ہو اور مال سے بے پرواہ ہو جائے اس لیے کہ ایسے وقت میں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مال کو اپنی ذاتی معاشرتی اور منزلی مفید کاموں پر زیادہ سے زیادہ صرف کرے اور یا پھر اپنی موت کے بعد اپنے اقرباء کے لیے چھوڑ جائے اور اس طرح کی اعانت و مدد کرے بہر حال تقسیم دولت کا یہ ایک بہترین طریقہ ہے۔[۱۱۰]

ان لازمی ذمہ داریوں کے بعد صدقات نافلہ، اوقاف، ہبہ، وصیت، قرض حسنہ، عاریت امانت وغیرہ کے لیے شریعت اسلامیہ نے جو کچھ فرمایا اس کی روح یہی ہے کہ ایک طبقہ دنیا بھر کی دولت پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جائے اور دولت و سرمایہ معاشرہ میں خوب پھیل جائے تا کہ عام انسانی برادری اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

حواشی

[1] اختصار از حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۰۲ ج ۲ ص ۱۰۵، ۱۰۶

[2] معاشیات۔ مقاصد اور منہاج از ڈاکٹر ذاکر حسین ص ۱۰/۱۱

[3] ایضاً ص ۵۷

[4] البدایہ والنہایہ: ج ۵ ص ۶۴ مطبوعہ لاہور

[5] القرآن__ سورۃ ۵۰ آیت ۳۰

[6] ترجمان القرآن__ مولانا ابوالکلام آزاد ج ۲ ص ۱۳۲ مطبوعہ لاہور

[7] البقرہ آیت ۱۲۶__ ترجمہ مولانا احمد سعید دہلوی موسوم بہ کشف الرحمٰن ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ کراچی

[8] ہود: آیت ۶

[9] الذاریات: ۲۲

[10] الانعام: ۱۵۱

[11] النحل: ۶۳

[12] الذاریات: ۵۸

[13] الحجر: ۲۰

[14] البقرہ: ۲۹

[15] حٰم السجدہ: ۱۰__ بعض حضرات نے آخری ٹکڑے کا اس طرح ترجمہ کیا "جو برابر ہیں حاجتمندوں کے لیے" (اس سلسلہ کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں روح المعانی۔ ابن جریر اور ابن کثیر کے متعلقہ مقامات)

[16] النحل: ۷۱

[17] گلستان (دیباچہ) مطبوعہ ملتان۔

[18] ایضاح الادلہ للشیخ محمود دیوبندی ص ۲۶۸ مطبوعہ دیوبند (انڈیا)

[19] محلی ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ

[20] البلد: ۱۰

[21] الزخرف: ۳۲

[22] الرعد: ۲۶

[23] الانعام: ۱۶۵

[24] التوبہ: ۳۵

[25] الحشر: ۷

[26] البقرہ: ۱۹۰

[27] اسلام کا اقتصادی نظام ص ۵۳۔ ۵۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء__ اس موقع پر امام ابن کثیر کی تفسیر کے حوالہ سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک معلوم کر لیں۔

حضرت ابوذر کا مسلک یہ تھا کہ اہل و عیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ جمع رکھنا حرام ہے وہ اس کا فتویٰ دیتے اس کی تبلیغ

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

کرتے اور اسی کا سب کو حکم دیتے (سورہ توبہ)

۲۸؎ البقرہ: ۲۷۵

۲۹؎ البقرہ: ۲۷۶

۳۰؎ المائدہ: ۹۰

۳۱؎ المطففین: ۱ تا ۳

۳۲؎ النساء: ۲۹

۳؎ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۲

۴؎ شق ب کی مثال قمار، سٹہ، لاٹری ہے تو شق ج کی بدترین مثال سود در سود ہے۔

۳۵؎ الحدید: ۲۷

۶؎ الجمعۃ: ۱۰

۳۷؎ العنکبوت: ۱۷

۳۸؎ ج۔ دہردو ــــ از کنز العمال ج ۲

۳۹؎ طبرانی فی الاوسط و نعیم فی الحلیہ

۴۰؎ کنز العمال جلد ۲

۴۱؎ احیا علوم الدین للغزالیؒ ج ۲ ص ۵۷

۴۲؎ اتحاف السادہ ج ۵ ص ۴۱۷

۳؎ ان آیات قرآنی کو مدنظر رکھیں

البقرہ: ۱۶۸، المائدہ: ۸۸، المومنون: ۵۱ اور الاعراف: ۱۵۷

۴۴؎ المنار: ج ۱: ۸۷ (ابن کثیر ج ۱ ص ۳۰۳ بھی قابل غور ہے)

۴۵؎ مثلاً سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳ اور نمبر ۹۰ وغیرہ۔ جبکہ امام بخاری، امام ابو داؤد وغیرہ نے مختلف مواقع پر بعض اشیاء کا ذکر کیا جیسے ریشمی لباس (مردوں کے لیے) دیبا، خز، ریشمی گدے سب کے لیے سونے چاندی کے برتن۔

۴۶؎ الاعراف: ۳۱ اور بنی اسرائیل: ۲۶، ۲۷ اسراف و تبذیر کے فرق پر علامہ ماوردی نے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کمیت یعنی مقدار پر خرچ میں حد سے تجاوز اسراف ہے اور کیفیت یعنی مواقع صرف خرچ میں جس سے تجاوز کا نام تبذیر ہے بحوالہ روح المعانی ج ۱۵ ص ۵۹ مطبوعہ لاہور جب کہ مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچ سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر عائد شدہ حقوق کے فوت ہونے اور ارتکاب حرام کا سبب بنے حواشی مولانا عثمانی ص ۳۶۸۔

اور صاحب روح المعانی سورۂ طہٰ میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سرکشی نہ کرو۔ مال کو اسراف، غرور اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی اور حقوق واجبہ کے تلف کا ذریعہ نہ بناؤ روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۱۶

۴۷؎ کنز العمال

۴۸؎ ابن کثیر ۶ ص ۶۳

۴۹؎ تفسیر کبیر ج ۱۹ ص ۳۴ مطبوعہ ایران

۵۰؎ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۴۷

۵۱؎ مندرجہ ذیل آیات قابل توجہ ہیں۔

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

سورۃ الحشر: آیت ۹: سورۃ البقرہ آیت ۲۱۹

آل عمران: ۹۲

نیز فتح الباری ج ۳ ص ۲۲۹، ص ۲۳۰ قابل مراجعت ہے۔

۵۲؎ مولانا حفظ الرحمٰن۔ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۰۷/۱۰۶

۵۳؎ اسلام کا اقتصادی نظام ص ۱۰۸۔۱۰۹

ان مدات کی تفصیل کا یہ وقت اور موقع نہیں، امام ابو عبید کی ’’کتاب الاموال‘‘ امام ابو یوسف کی ’’کتاب الخراج‘‘ مولانا مناظر احسن گیلانی کی ’’اسلام کا معاشی نظام‘‘ ڈاکٹر یوسف الدین کی ’’معاشیات اسلام‘‘ جیسی کتابوں میں تفصیلات ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں__ اختصار اور جامعیت کے لیے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ’’اسلام کا اقتصادی نظام‘‘ دیکھیں۔

۵۴؎ سورۂ نساء کی آیات ۵۹، ۸۳ ملاحظہ فرمائیں۔

۵۵؎ حربی کے لیے سورۂ توبہ آیت ۵

حربی مستامن کے لیے توبہ آیت ۶

معاہد مسالم کے لیے انفال: ۶۱ اور توبہ ۴

ذمی کے لیے توبہ: ۲۹

جبکہ فیصلہ کن آیات ممتحنہ کی ہیں ۸۔۹

۵۶؎ بیان القرآن ج ۴ ص ۱۲۰۱

۵۷؎ کتاب الخراج (عربی ایڈیشن) ص ۴۷

۵۸؎ شرح شرعۃ الاسلام للسید علی زادہ حنفی

۵۹؎ ترجمان القرآن لابی الکلام آزاد جلد: ۲

۶۰؎ کتاب الخراج لابی یوسفؒ الحنفی ص ۴۴

۶۱؎ کتاب الاموال لابی عبیدؒ ص ۲۳۷

۶۲؎ حجۃ اللہ__ مزید تفصیلات کے لیے کتاب الخراج ص ۱۸۶۔۱۸۷ اور کتاب الاموال ص ۱۰۶ ملاحظہ فرمائیں

۶۳؎ سیرت العمرین بحوالہ کتاب الاموال ص ۱۶۵

۶۴؎ کتاب الاموال ص ۱۶۸، ۲۶۱، ۲۶۲

۶۵؎ کتاب الاموال ص ۳۲۶، ۳۲۷

فتوح البلدان ص ۱۳۶

۶۶؎ طبری ج ۴ ص ۲۵۴، ۲۵۶

شامی ج ۳ ص ۳۲۵

کتاب الام للامام الشافعی

۶۷؎ کتاب الخراج ص ۱۲۶

۶۸؎ کتاب الخراج ص ۱۴۴

۶۹؎ مختصر مختار الکونین قلمی ص ۴۴

بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام

۷۰؎ بدائع الصنائع ج ۳ ص ۳۸

۷۱؎ کتاب الخراج ص ۴۲ کتاب الاحوال ص ۲۶۳

All rights reserved
©2002-2006

۷۲ کتاب الخراج ۲۶۴

۷۳ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۳

۷۴ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۴۵ ج ۱ ص ۱۰۶

۷۵ علم المعیشت باب ۳ ص ۳۷ ج ۱ ص ۹۹

۷۶ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۳

۷۷ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۳

۷۸ مجمع الزوائد ج ۴

۷۹ کتاب الخراج ص ۸۶

۸۰ کتاب الخراج ص ۳۷

۸۱ بحر الرائق ج ص ۱۱۶

۸۲ کتاب الخراج ص ۸۶

اس سلسلہ کی تفصیلات مولانا شبلی کی الفاروق میں ذمی رعایا کے حقوق میں ضرور دیکھیں۔

۸۳ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۴

۸۴ کتاب الخراج ص ۶۶

۸۵ ارشاد رسالت ___ مندرجہ بخاری، مسند

۸۶ کتاب الاموال ص ۲۹۰ کتاب الخراج ص ۶۲

۸۷ مبسوط ص ۱۶۴ ج ۲۳ کتاب الخراج ص ۹۵ فتوح البلدان ص ۳۵۳ حسن المحاضرہ ص ۹۲

۸۸ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۲ ص ۳۰۲

۸۹ بیہقی، ترمذی (ہر دو کتاب البیوع)

۹۰ المائدہ: آیت ۲

۹۱ النساء: آیت

۹۲ ابو داؤد ابواب البیوع

۹۳ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۲ ص ۳۰۲

۹۴ بخاری کتاب البیوع

۹۵ ابن ماجہ

۹۶ کتاب الاموال ص ۸۳۱

۹۷ مشکلۃ الاسلام والحضارۃ العربیہ آغانی ج ۸ مسند احمد ج ۱ ابن سعد ج ۲۳

۹۸ خواطر فی القضاء والاقتصاد فی الاجتماع ص ۲۱۱

۹۹ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۳

۱۰۰ آل عمران وغیرہ

۱۰۱ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۰۶

۱۰۲ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۱۶ نیز سعیدیات ج ۲ ص ۱۱۲

۱۰۳ سعیدیات حصہ اول ص ۳۱۴

۱۰۴ مولانا حفظ الرحمن، اسلام کا اقتصادی نظام ص ۳۸۴

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

الحجر

حجر کی لغوی شرعی تحقیق

حَجَرَ یَحْجُرُ حَجْرًا نًا وَ حَجْرا وَحُجْرا وَ حُجْرانًا وَحِجْرٌ وَحِجْرَانًا___ علیه منعه من التصرف بماله.

یعنی ''علی'' کے صلہ کے ساتھ کسی کو اس کے مال میں مطلق تصرف سے منع کرنے پر بولا جاتا ہے علیہ الامر کا مفہوم ہوتا۔ منعه عنه

اسی طرح حجریحجر حجرا وا محجرا علیه الامر ای حرّمه علیه[1]

ھکذا فی المنجد الابجدی وقال صاحب المنجد الحجر مصدر___ المنع مطلقا الحرام یقال ھذا حَجرٌ علیک ای حرام علیک[2]

کسی قدر تفصیل کے ساتھ یہی لغوی بحث ''المنجد'' میں موجود ہے۔

(المنجد فی اللغة والادب والعلوم)[3]

الحجر فی اللغة: التضیق و المنع و منه قول الرسول صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لمن قال اللّٰھم ارحمنی و ارحم محمد او لا ترحمه معنًا احداً

''لقد حجرت واسعاً یا اعرابی''

ومعناه فی الشرع: منع الانسان من التصرف فی مالهٔ[4]

لغت میں حجر کہتے ہیں تنگی کرنا اور منع کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد اسی مفہوم میں ہے جو آپ ﷺ نے ایک دیہاتی سے کہا تھا۔ وہ اپنے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کر رہا تھا کہ:

اے اللہ، تو مجھ پر رحم کر اور محمد ﷺ پر رحم کر اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ کر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا۔

> اے دیہاتی! تو نے اس ذات کی رحمت کو محدود و تنگ کر دیا جو بڑی وسعت والی ہے۔ اور شریعت میں اس کا معنی ہے۔ انسان کو اس کے مال میں تصرف سے روک دینا۔

الحجر کا لغوی معنی مطلق روکنا ہے جو بھی رکاوٹ ہو اور شرعاً یہ ہے کہ ایک خاص طریق سے تصرف سے منع کرنا۔[۵]

> **الحجر وهو لغة يقال للمنع والحرام ولمقدم الثوب** حجر کو لغت میں کہتے ہیں منع کرنا۔ حرام اور کپڑے کے سامنے کا حصہ۔
>
> **وشرعا: قال ابن عرفة صفة حكمية توجب منع موصوفها من نفوذ تصرفه في الزائد على قوته او تبرعه بماله، قال وبه دخل حجر المريض والزوجة**[۶]

اور شرعاً اس کا مفہوم ابن عرفہ کے الفاظ میں یہ ہے کہ ایک ایسی صفت حکمی جو اس کے موصوف کو اپنے زائد مال میں تصرف سے روک دے یہ روکنا قوت کے سبب ہو یا اخلاقی اقدار کا لحاظ کر کے، کسی مریض کو وقتی طور پر روک دینا یا اپنی اہلیہ کا ہاتھ پکڑ لینا اور اس کو روک دینا بھی اس ضمن میں آتا ہے۔

> **الحجر في اللغة: المنع والتضييق ومنه سمى الحرام حجرا: قال تعالىٰ (۲۵: ۲۲ ويقولون حجرا محجورا) اى حراما محرما ويسمّى العقل حجرا قال اللّٰه تعالىٰ (۸۹: ۵ هل في ذالك قسم**

لذی حجر) ای عقل سمی حجراً لانہ یمنع صاحبہ من ارتکاب ما یقبح و تضر عاقبة وھو فی الشریعة منع الانسان من التصرف فی مالہ ۔ [۴]

یعنی حجر لغت میں منع اور تضیق (تنگی) کا نام ہے۔ حرام کو حجر سے موسوم کیا گیا جیسا کہ قرآن عزیز کی سورة ۲۵ آیت ۲۲ کا ٹکڑا ہے "وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا"[۶] اور عقل کو بھی اس سے موسوم کیا گیا جیسا کہ قرآن عزیز کی سورة ۸۹ کی آیت ۵ میں ہے "هَلْ فِيْ ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ" عقل کو اس لیے موسوم کیا گیا کہ یہ انسان کو ان چیزوں سے روکتی ہے جو قبیح اور بری ہیں اور جن کا انجام نقصان دہ ہے اور شریعت میں حجر نام ہے انسان کو اس کے مال میں تصرف سے روکنے کا۔

الحجر ھو لغة المنع و شرعا المنع من التصرفات المالية و الاصل فيہ قولہ تعالی (وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغو النکاح ...) وقولہ تعالیٰ (فان کان الذی علیہ الحق سفیھا او ضعیفا) الخ و قد فسر الشافعی رحمہ اللہ تعالی السفیہ بالمبذر و الضعیف بالصبی والکبیر بالمختل والذی لا یستطیع ان یمل بالمغلوب علی عقلہ فاخبر اللہ تعالیٰ ان ھؤلاءِ یتوب عنھم اولیاء ھم فدل علی ثبوت الحجر علیھم[۸]

حجر لغت میں منع کو کہتے ہیں اور شریعت میں تصرفات مالیہ سے روکنے کو، اس میں اصل بنیاد قرآن عزیز کی سورۂ النساء کی یہ آیت ہے جس میں ارشاد ہے "اور سدھاتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر[۹] کو اور دوسرا یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلا دے اس کا وکیل انصاف سے[۱۰] اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "سفیہ" کی تفسیر تو

''مبذر'' (بے جا اڑانے والا) سے کی ہے ضعیف کی بچہ کے ساتھ اور کبیر کی مختل کے ساتھ (جس کو خلل دماغ کا عارضہ لاحق ہو) اور جو طاقت نہیں رکھتا کہ لکھوا سکے اس کی تفسیر کی اس کے ساتھ جس کی عقل مغلوب ہو چکی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان سب کی طرف نائب ہوں ان کے وارث و وکیل۔ اور یہی بات ان کے حق میں حجر کے ثبوت پر دلالت کرتی ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے۔

حجر کا عربی میں لغوی معنی بچاؤ ہے علاوہ ازیں رکاوٹ پابندی ممانعت، مزاحمت کے لیے ایک خاص اصطلاح ہے اور کسی حق یا شئی کے مصرف میں لانے یا ہبہ، صدقہ، عطیہ، بیع وشری نکاح وطلاق وغیرہ کے اختیار پر پابندی کا عمل اور اس کا نتیجہ دونوں مراد ہیں۔[11]

حضرات احناف فرماتے ہیں۔

هو عبارة عن منع مخصوص، متعلق بشخص مخصوص عن تصرف مخصوص او عن نفاذ ذالک التصرف.

مالکیہ کہتے ہیں:

الحجر توجب منع موصوفها من نفوذ تصرفه فیما زاد علی قوته کما یوجب منعه فی نفوذ تصرفه فی تبرعه بذائد علی ثلث ماله.

ترجمہ: اور حنابلہ بعض مال کے ساتھ اسے مخصوص قرار دیتے ہیں اس لیے وہ تعریف کرتے ہیں۔

هو منع مالک عن تصرفه فی ماله.

ترجمہ: بعض ائمہ نے حجر کو بڑی وسعت دی اور کہا کہ ہر وہ عمل روکا جا سکتا ہے جس کا ضرر دوسروں تک پہنچے جیسے نیم حکیم کو طب سے، جاہل مفتی کو فتویٰ سے، اسی

لحاکم فی شیء من ذالک الا ماکان معصیة للہ تعالیٰ فھو باطل مردود[14]

اسی عبارت سے نابالغ، مجنون اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خرچ کرنے والے کے لیے حجر ثابت ہوتا ہے۔ آخری حصہ کا یہی مفہوم ہے کہ باپ کو بیٹے پر، شوہر کو بیوی پر اور حاکم کو رعیت پر کسی چیز میں اعتراض کا حق نہیں ہاں جو چیز اللہ تعالیٰ کی معصیت بنتی ہو وہ باطل اور مردود ہے۔

ابن قدامہ نے حجر کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

ایک تو کسی پر پابندی لگانا اس کے ذاتی مفاد میں۔ دوسرے پابندی لگانا دوسرے کی وجہ سے!

دوسرے کی وجہ سے جو پابندی لگائی جا سکتی ہے اس میں یہ چیزیں شامل ہیں۔

(الف) مقروض پر پابندی قرض خواہوں کی وجہ سے (ب) مریض پر پابندی ورثا کی وجہ سے (ج) مکاتب اور غلام پر آقا کی وجہ سے (د) راہن پر مرتہن کی وجہ سے اور کسی کے ذاتی مفاد میں جو پابندی لگائی جاتی ہے اس میں الصبی (بچہ) مجنون اور سفیہ (بیوقوف) شامل ہیں۔[15]

الھدایہ میں ہے۔

الاسباب الموجبة للحجر ثلاثة! الصغر، والرق، والجنون.

یعنی جو اسباب حجر کا باعث بنتے ہیں وہ تین ہیں کم سنی، غلامی اور جنون۔ جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

یحجر علی السفیه ویمنع من التصرف فی ماله لا نه مبذر ماله بصرفه لا علی الوجه الذی یقتضیه العقل فیحجر علیه نظرا له اعتبارا بالصبی بل اولی لان الثابت فی حق الصبی احتمال التبذیر وفی حقه حقیقة ولهذا منع عنه المال ثم هو لایفید

بدون الحجر لانه یتلف بلسانه ما منع من یده۔ [16]

یعنی سفیہ (بے وقوف، کم عقل) پر پابندی لگائی جائے گی اور اسے مال میں تصرف سے روکا جائے گا کیونکہ وہ اپنے مال کو فضول طریق سے برباد کر رہا ہے اس کے خرچ کا وہ انداز نہیں جس کا عقل تقاضا کرتی ہے اور جسے عقل پسند کرتی ہے۔

اس لیے ایسے شخص پر پابندی لگائی جائے گی اس کے حال کا بچہ کے ساتھ اعتبار کرتے ہوئے، کیونکہ بچہ کے حق میں تبذیر (فضول خرچی) کا احتمال ہے اور یہ شخص فی الحقیقت اور بالفعل فضول خرچی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ لہذا اس کا مال روکا جائے گا اور یہ ممانعت حجر کے بغیر مفید نہیں کیونکہ محض زبان سے روکنا غیر مفید ہے ہاتھ سے روکنا اور پابندی لگانا ہی مفید ہوگا یعنی لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

صاحب منہاج لکھتے ہیں۔

منه حجر المفلس لحق الغرماء والراهن للمرتهن والمریض للورثته والعبد لسیده والمرتد للمسلمین ولها ابواب و مقصود الباب حجر المجنون والصبی، والمبذر۔ [17]

یعنی مفلس کو روکنا قرض خواہوں کے لیے، راہن کو مرتہن کے لیے، مریض کو وارثوں کے لیے، غلاموں کو آقا کے لیے اور مرتد کو مسلمانوں کے لیے اس کے کئی ابواب ہیں اور جو ابواب مقصود ہیں وہ ہیں مجنون، بچے اور مبذر کا حجر اور انہیں روکنا۔

صاحب قدوری نے اسباب حجر تین شمار کیے ہیں۔ نابالغ ہونا، غلام ہونا، پاگل ہونا اور حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے سفیہ کو بھی اس میں شامل کیا۔ [18]

ابن رشد مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

نابالغ بچوں پر حجر کے سلسلہ میں علماء کا اتفاق ہے جب تک کہ وہ بالغ ہو کر صاحب عقل وخرد نہ ہو جائیں رہ گئے وہ لوگ جو بالغ ہیں عاقل ہیں اور فضول خرچ ہیں (**الحجر علی العقلا الکبار اذا ظهر منهم تبذیر لا اموالهم**) تو ایسے شخص کے معاملہ میں امام مالک، امام شافعی، اہل مدینہ اور اکثر اہل عراق (احناف) کا یہی موقف ہے کہ ان پر پابندی لگائی جائے۔ حضرات صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے (جبکہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی موقف ہے جیسا کہ آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ) اس بحث کے اختتام پر وہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے اسباب حجر چھ گنواتے ہیں۔

الصغير، السفيه، العبد، المفلس، المريض، الزوجة[19]

العلامة ابو البرکات لکھتے ہیں:

سبب الحجر ای اسبابه سبعة

خمسة عامة و اثنان خاصان بمازاد علی الثلث

واشار للخمسة العامة بقوله

فلس بالمعنی الاعم اوالا خص

وجنون بصرع اواستیلاء وسواس

وصبیا.

وتبذیر لمال

ورق واشار بقوله.

ومرض متصل بموت و نکتاح بذوجة ای فالزوج یحجر علیها

فیها زاد علی الثلث.[20]

یعنی اس کے اسباب سات ہیں پانچ تو عام ہیں اور دو خاص ہیں جن کا تعلق

رہتے ہیں۔

اسی طرح یہ ائمہ اس شخص کو بھی حجر کا مستحق گردانتے ہیں جو مختلف الانوع قومی ذمہ داریاں یا قرض کی ادائیگی سے بچنے کی غرض سے جائیداد کے جعلی انتقال کرتا پھرے اور صرف ذمہ داریوں سے بچنے کی غرض سے انہیں اِدھر اُدھر کر دے۔ [۲۳]

یہ صورت حال بھی بڑی نازک ہے خاص طور پر ہمارے ملک میں جہاں ایک خاص طبقہ ملک کی غالب جاگیر و جائیداد پر ہی مسلط نہیں بلکہ انتظامیہ، مقننہ عدلیہ اور دوسرے ہر شعبہ پر اس کا کنٹرول ہے۔ یہی طبقہ اب جاگیر و جائیداد پر قبضہ سے آگے بڑھ کر تجارت وصنعت پر بھی چھا چکا ہے۔ اوّل تو اس کے پاس جو جاگیر ہے وہ ہی محل نظر ہے کہ اس کے آباؤ اجداد نے قومی مفادات کا سودا کر کے غیر ملکی سامراج اور آقاؤں سے یہ جاگیر حاصل کی۔ پھر اس نے سرکاری ٹیکسز اور الٰہی ٹیکسز (عشر وغیرہ) کی ادائیگی کی کبھی فکر نہیں کی۔ (الا ماشاء اللہ تعالیٰ) اس نے تجوریاں بھری اور مختلف ذرائع و اسباب سے سیاست ونظم اور عدل ومقننہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اس کی ستم ظریفی کا یہ عالم ہے کہ وہ زکوٰۃ تک جیسے لازمی حکم سے بچنے کی غرض سے سال ختم ہونے سے چند دن قبل اپنا سرمایہ اپنی بیوی وغیرہ کے نام منتقل کرا دیتا ہے اور اگلے سال وہ پھر اسی طرح مالک ہوتا ہے۔ اور جب کبھی حکومت اس جائیداد اور جاگیر کے حصے بخرے کرنے کا سوچتی ہے تو وہ جعلی انتقالات سے جائیداد کو اِدھر اُدھر کر دیتا ہے۔ ایسے اشخاص پر حجر و پابندی بے حد ضروری ہے۔ ہم اپنے ملک کی مختصر تاریخ میں زرعی اصلاحات کے نام پر تین مرتبہ (دولتانہ، ایوب، بھٹو کے ادوار) اس قسم کے جعل وفراڈ سے گذر چکے ہیں اس لیے ملک کے اہل علم اور بالخصوص حکومتی اداروں اسلامی نظریاتی کونسل، اسلامی تحقیقاتی ادارہ اور شریعت کورٹ پر لازم ہے کہ وہ اس کا سدباب کر لے اور سدباب کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس قسم کے لوگ حجر کے ذریعہ پابند کر دیے جائیں۔ یہ لوگ اور

اس قسم کے افراد صرف اسی جرم کے مرتکب نہیں ہوتے یہ ''تبذیر'' کی ضمن میں بھی آتے ہیں اس لیے ان پر پابندی لازم ہے۔ اس کا ذکر ہم آئندہ چل کر کریں گے۔

حجر اور کورٹ آف وارڈ کی بنیاد

حضرات فقہاء کرام نے حجر جس کو مروجہ اصطلاح میں کورٹ آف وارڈ کہتے ہیں کی بنیاد کتاب وسنت پر ہی رکھی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس آیت کو پیش کیا جاتا ہے۔

> ولا تو تو السفهاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیماً وارزقو هم فیها واکسو هم و قولوا لهم قولا معروفا.[۲۴]

اور دیکھو! مال ومتاع کو اللہ نے تمہارے لیے قیام (معیشت) کا ذریعہ بنایا ہے پس ایسا نہ کرو کہ کم عقل آدمیوں کے حوالے کر دو۔ (یعنی کم عمر اور نادان لڑکوں کے حوالے کر دو اور وہ کم سن ہیں تو) ایسا کرنا چاہیے کہ ان مال میں ان کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کر دیا جائے اور نیکی اور بھلائی کی بات انہیں سمجھا دی جائے۔[۲۵]

مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> مال قیام زندگی کا ذریعہ ہے پس جب تک یتیم بچے عاقل و بالغ نہ ہو جائیں اور اپنے مفاد کی حفاظت نہ کر سکیں مال ومتاع ان کے قبضے میں نہ دے دو۔[۲۶]

مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

> یعنی بے سمجھ لڑکوں کے ہاتھ میں ان کا وہ مال مت دے دو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے آدمیوں کے لیے سامان معیشت بنایا ہے بلکہ اس کی پوری حفاظت رکھو اور اندیشۂ ہلاکت سے بچاؤ اور جب تک ان کو سامان کا ہوش نہ آئے اس وقت تک ان کو اس میں سے کھلاؤ پہناؤ اور تسلی کرتے رہو کہ یہ سب مال تمہارا ہی ہے ہم تو تمہاری خیر خواہی کرتے ہیں جب سمجھ دار ہو جاؤ گے تم کو ہی دے

وغیرہ کے سبب عقل کا فقدان بھی اس میں شامل ہے ایسی حالت کہ آدمی اپنے مال کے معاملہ میں بری سوچ اور نظر کا شکار ہو کر (اڑاتا رہے)

آگے لکھتے ہیں۔

واما الجاهل بالاحکام ..... فلا یدفع الیه المال لجهله بفاسد البیاعات و صحیحها وما یحل وما یحرم منها [illegible]

جو شخص احکامات دینیہ سے جاہل ہے اس کا مال اس کے سپرد نہیں کیا جائے گا کہ اسے معلوم نہیں کہ صحیح تجارت و بیع کون سی ہے حلال کیا ہے اور حرام کیا۔

امام مالک اور جمہور فقہاء اسی بحث میں سفیہ اور کبر السن (بوڑھا) کو حجر کا مستحق گردانتے ہیں جبکہ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس شکل میں اس پر حجر کی پابندی لازم قرار دیتے ہیں جب وہ اپنے مال کو ضائع کرنے والا ہو۔

الا ان یکون مفسد الماله فاذا کان کذالک منع من تسلیم المال الیه[illegible] الخ

ترجمہ: الجصاص الحنفی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

یقتضٰی خطاب کل واحد منهم بالنهی عن دفع ماله الی السفهأ لمافی ذالک من تضیعیه لعجز هؤلاء عن القیام بحفظه وتثمیره [illegible]

یعنی سفہا کے سپرد مال نہ کیا جائے کہ وہ اس کی حفاظت نہیں کرسکتے اور اس کو ثمر آور نہیں کرسکتے (بلکہ برباد کردیں گے)

آگے فرماتے ہیں۔

و فیه الدلالةعلی النهی عن تضییع المال و وجوب حفظه و تدبیره و القیام به____

یعنی اس حکم میں اس بات کی دلالت ہے کہ مال کو ضائع ہونے سے بچایا

جائے اور اس کی حفاظت لازم ہے۔

پھر شیخ الجصاص الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تائید میں اور بہت سی آیات نقل کرتے ہیں جس میں ایک وہ آیت ہے جو سورۂ بنی اسرائل میں ہے۔ جس میں تبذیر سے روکا گیا ہے اور تبذیر کا ارتکاب کرنے والوں کو شیطان کے بھائی بتلایا گیا۔ اسی آیت سے فقہا نے ایک سبب حجر نکالا یعنی التبذیر[۴۳] (جس پر آئندہ گفتگو ہوگی)

دکتور محمد محمود حجازی کہتے ہیں۔

السفها جمع سفیه والسفه الاضطراب فی العقل والفکر والخلق والمراد به هنا من لا یحسن التصرف فی المال[۴۴]

یعنی سفہ عقل، فکر اور اخلاق میں اضطراب کا نام ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ جو شخص تصرف مالی میں احسن طریق اختیار نہ کرے۔

حافظ ابن کثیر دمشقی فرماتے ہیں۔

وهم (اے السفهاء) اقسام فتارة یکون الحجر للصغیر فان مسلوب العبارة و تارة یکون الحجر للجنون وتارة لسوء التصرف لنقص العقل او الدین الخ[۴۵]

گویا عقل یا دین کے نقص کے سبب سوء تصرف کا اس پر اطلاق کیا گیا ہے۔

کشاف میں ہے۔

السفها المبذرون اموالهم الذین ینفقونها فیمالا ینبغی الخ[۴۶]

یعنی سفہا وہ فضول خرچ افراد ہیں جو اپنا مال نامناسب طریقے سے خرچ کرتے ہیں۔

السید محمد رشید رضا مصری فرماتے ہیں۔

ان السفه هو الاضطراب فی الرای والفکر اوالاخلاق ......
واستعمل فی خفة النفس نقصان العقل و فی الامر بالدینویة
والاخرویة ثم جعل السفه فی الامور الدنیویة.....فالسفهاء هنا
المبذّرون اموالهم ینفقونها فیما لا ینبغی ویسیئون التصرف
بانائها وتثمیرها...... قال الاستاذ لا یحسن التصرف فی ماله الخ
[۴۷]

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم میں بڑی واضح ہے کہ جو شخص رائے، فکر اور اخلاق میں اضطراب کا شکار ہے جس کی عقل ناقص ہے دینی اور اخروی امور میں جو غیر محتاط ہے۔ مبذر ہے نامناسب جگہ مال خرچ کرتا ہے اور حسن تصرف کا اہتمام نہیں کرتا وہ سفیہ ہے۔

دوسری آیت

سورۂ نساء کی آیت ۶ کو بھی بعض حضرات نے اس سلسلہ میں دلیل کے طور پر پیش کیا[۴۸]

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

اور یتیموں کی حالت پر نظر رکھ کر انہیں آزماتے رہو (کہ ان کی سمجھ بوجھ کا کیا حال ہے) یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کا مال ان کے حوالے کردو۔[۴۹]

مولانا شبیر احمد عثمانی نے لکھا کہ جب ان میں (یتیموں میں) نفع ونقصان کی سمجھ آجائے اور وہ حفاظت اور انتظامِ مال کے سلیقہ سے آشنا ہو جائیں تو ان کا مال ان کے سپرد کردو۔ (اس سے قبل نہیں)[۵۰]

ابن کثیر میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے ہے۔

صلاحاً فی دینِهم وحفظالاموالهم و کذاروی عن عباس والحسن البصری وغیر واحد من الائمة وهکذا قال الفقهاء الخ

[۴۱]

گویا اس میں دینی طور پر صلاحیت پیدا ہو جائے اور مال کی حفاظت کا اس میں شعور پیدا ہو جائے تو حجر کا قصہ ختم۔ اب مال اس کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس خواجہ حسن بصری وغیرہ ائمہ اور فقہا کا یہی قول ہے۔

حجازی کہتے ہیں۔

حتی تبینوا رشدهم و کمال تصریفهم [۴۲]

ان کا رشد (دینی صلاحیت، عقلی کمال) اور خرچ کا کمال واضح ہو جائے۔

الصابونی فرماتے ہیں۔

اے ان ابصرتم منهم صلاحافی دینهم وما لهم فادفعوا الیهم اموالهم بدون تاخیر. [۴۳]

یعنی جب تم ان میں دینی اور مالی اصلاح دیکھ لو تو بغیر تاخیر ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔

قرطبی نے ”رشد“ جس کے مشاہدہ کے بعد مال اس کے سپرد کر دیا جائے گا، اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

حسن وقتادہ کہتے ہیں۔

”صلاحا فی العقل والدین“

ابن عباس سدی اور ثوری کہتے ہیں۔

”صلاحا فی العقل و حفظ المال [۴۴]

سنن الکبریٰ بیہقی میں ہے۔

> آئیں، دنیا کی زندگی میں (زندگی کی مکروہات کے ساتھ اور) قیامت کے دن (ہر طرح کی مکروہات سے) خالص، دیکھو اس طرح ہم ان لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں جو جانتے ہیں۔[۲۱]

یہ آیت سورۃ الاعراف کے چوتھے رکوع کی پہلی آیت ہے۔ اس سے پہلے اس سورۃ کے پہلے رکوع میں تو انسانیت کو برے انجام سے ڈرایا۔ دوسرے رکوع میں سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش۔ شیطان کا مقابلہ آدم علیہ السلام پر عتاب، ان کی توبہ کی قبولیت اور پھر زمین پر بسانے کا ذکر ہے۔ تیسرے رکوع میں دنیا کی ضرورت کے پیش نظر لباس مہیا کرنے کا ذکر ہے اور ''لباس تقویٰ'' کو سب سے بہتر لباس قرار دیا گیا۔ پھر تنبیہ کی گئی کہ اے اولادِ آدم ذرا ہوشیار ہو کر رہنا کہیں تم بھی اسی طرح شیطان کے بہکاوے کا شکار ہو جاؤ جس طرح تمہارے بڑے کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا۔ جب تک جنت میں شیطان کے پھسلانے کا قصہ پیش نہ آیا سیدنا آدم اور ان کی اہلیہ کے ستر کا معاملہ درست تھا، جونہی یہ حادثہ پیش آیا ستر کھل گیا اور ستر پوشی کے لیے لباس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اب کارگاہ حیات میں شیطانی راستوں پر چلنے کا انجام شرم و حیاء کی بربادی کی شکل میں سامنے آئے گا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ جب کوئی انسان حماقت اور برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا الزام بڑوں کو دیتا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا؟ اصل میں تو اتباع حکم الٰہی کی چاہیے نہ کہ آباؤ اجداد کے راستہ کی۔ اس لیے افراط و تفریط سے بچ کر استدلال کی راہ اپناؤ۔ اپنی عبادات میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھو اس کے لیے دین میں خلوص کا مظاہرہ کرو اس لیے کہ ابتداء کی طرح تمہارا لوٹنا بھی اسی کی طرف ہوگا۔ پھر انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر کیا ایک ہدایت یافتہ دوسرا گم کردہ راہ۔ جس نے خود ساختہ گمراہوں میں ڈال کر اپنے آپ کو غارت کر لیا ان لوگوں نے شیاطین کو اپنا دوست بنا کر گمراہی اختیار کر لی اور پھر

اس پر زعم یہ ہے کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں۔ بنی آدم کو حکم یہ تھا اور ہے کہ عبادت کے ہر موقعہ پر اپنے بدن کو زیب و زینت سے آراستہ کرتے رہا کرو۔ کھاؤ پیو مگر حد سے نہ گزرو کہ اللہ تعالیٰ انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزرنے والے ہیں۔

اس سورۃ کے ابتدائی تین رکوعوں کا خلاصہ اس لیے ضروری تھا کہ متعلقہ آیت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ تیسرے رکوع کی آخری آیت اسراف سے روک کر بعض اسلاف کے مطابق ''آدھی طب اس میں جمع کر دی'' اسراف کا مفہوم حد سے تجاوز کرنا ہے جس کی کئی شکلیں ہیں۔

حلال کو حرام کر لینا، حلال سے گزر کر حرام سے متمتع ہونے لگنا، اناپ شناپ بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گر پڑنا۔ بدون اشتہا یا ناوقت کھانا، یا اس قدر کم کھانا کہ جسم کی ضرورت بھی پوری نہ ہو یا مضر صحت چیز ہیں استعمال کرنا وغیرہ ذالک؎

اس پورے پس منظر کو سامنے رکھ کر اب اعراف کی آیت ۳۲ پر غور کریں۔ اس کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ کر لیا۔ اب مولانا ابوالکلام آزاد کا تفسیری نوٹ ملاحظہ فرمائیں۔

رہبانیت یعنی جوگ پنے کا رد اور اس رجل عظیم؎ کا اعلان کہ دنیوی زندگی کی آسائش اور زینتیں خدا پرستی کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو کام میں لانا عین خدا کی مرضی کی تعمیل ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا اولادِ آدم کو جو تعلیم دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ اپنی زیب و زینت سے آراستہ ہو کر خدا کی عبادت کرو۔ پیروان مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ روحانی سعادت تب ہی مل سکتی ہے جب دنیا ترک کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقتضا یہ ہے کہ زینتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو جائیں، قرآن کہتا ہے، حقیقت اس کے عین برعکس ہے، تم سمجھتے ہو زندگی کی زینتیں اس لیے ہیں کہ ترک کر دی جائیں، حالانکہ وہ اس لیے ہیں کہ کام میں لائی

جائیں ـــــ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھیک طور پر کام میں لانا مشیت الٰہی کو پورا کرنا ہے (خط کشید الفاظ قابل توجہ ہیں۔ ناقل)

خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے لیے ہی پیدا کیا ہے، کھاؤ، پیو، زینت و آسائش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر حد سے نہ گذر جاؤ، دنیا نہیں، دنیا کا اعتدال سے ہٹا ہوا استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔ زندگی کی جن زینتوں کو پیروان مذاہب خدا پرستی کے خلاف سمجھتے تھے انہیں قرآن ”**زینۃ اللہ**“ یعنی خدا کی زینتوں سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے جس نے انسان کی دینی ذہنیت کی بنیادیں الٹ دیں، وہ دنیا جو نجات و سعادت کی طلب میں دنیا ترک کر رہی تھی، اب اسی نجات و سعادت کو دنیا کی تعمیر و ترقی میں ڈھونڈنے لگی، یہاں زینت سے مقصود وہ تمام چیزیں ہیں جو زندگی کی قدرتی ضروریات سے زیادہ ہوں مثلاً اچھا لباس، اچھا کھانا، معیشت کی تمام بے ضرر آسائشیں اور لذتیں۔ [۴۸]

حضرت **العلامہ** مولانا شبیر احمد فرماتے ہیں:

> عالم کی تمام چیزیں اسی لیے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی ان سے مناسب طریقہ سے منتفع ہو کر خالق جل وعلا کی عبادت، وفاداری اور شکر گذاری میں مشغول ہو۔ [۴۹]

حجازی متصل قبل کی آیت ”**کلوا واشربوا ولا تسرفو**“ پر لکھتے ہیں۔

> بل علیکم بالعدل و التوسط فلا تقتیر و لا اسراف
>
> کہ کھانے پینے میں عدل و توسط سے کام لو نہ تو بالکل ہی بخل سے کام لو نہ اسراف سے۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد امام نسائی اور امام ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے۔

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، کھاؤ، پیو، صدقہ کرو، ایسا لباس پہنو جس میں عجب وغرور نہ ہو اور نہ اسراف ہو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے کے وجود پر نظر آئے اس لیے زینت میں قطعاً حرج نہیں بشرطیکہ اس میں اسراف نہ ہو اور عجب وتکبر نہ ہو۔

اس کے بعد اسراف کے مختلف مدارج پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

جسمانی طاقت وضرورت سے زیادہ کھانے پینے کی اشیاء کا استعمال کرنا نقصان کا باعث ہے اور اپنی معاشی حالت سے بڑھ کر استعمال کرنا بھی نقصان کا سبب ہے اور حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا حرام و ہلاکت کا باعث ہے۔ [۵]

السید سابق "**حجر علی السفیہ**" کا مستقل عنوان قائم کر کے پہلے تو سورۃ النساء کی آیت (**ولا توتوا السفھاءُ الخ**) سے استدلال کرتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں:

دلت الا یۃ علی جوازا لحجر علی السفیہ

اور پھر ابن المنذر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

اکثر علما الامصار یرون الحجر علی کل مضیع لمالہ صغیرا کان ام کبیرا

کہ اکثر علما کا موقف یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مال کو ضائع کرنے والا ہو چھوٹا ہو یا بڑا اس پر حجر لازم ہے۔

اور صاحب نیل الاوطار کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

وہ حماقت وسفاہت جو حجر کا باعث بنتی ہے، وہ ہے مال کا خرچ کرنا فسق وفجور کے کاموں میں یا ایسی چیز میں جس میں کوئی مصلحت نہ ہو نہ اس میں دینی غرض ہو نہ دنیوی، جیسے ایسی چیز خریدنا جو فی الحقیقت ایک درہم کی ہو لیکن اپنی اکڑ میں سو درہم ادا کر دینا۔ اس کا فائدہ؟ نہ یہ اچھے لباس کے کام آیا نہ اچھی خوراک کے کہ

اچھی خوراک اور اچھے لباس کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے (جیسا کہ الاعراف کی آیت ۳۲ سے واضح ہے) لیکن یہ رویہ کیا ہے؟ اس کی توجیہ کیا ہوگی؟

اسی طرح کوئی شخص محض قرب سلطانی یا اس قسم کے مقاصد کے لیے پیسہ اڑائے وکذالوانفقه فی القرب فغ[۵۱] تو یہ بھی سفیہ ہے اور حجر کا مستحق (اس حوالہ سے شہر شہر کوٹھیاں، الیکشن پر لاکھوں کا صرف وغیرہ کو ذہن میں رکھیں اور پھر سوچیں کہ اس صرفہ کا مقصد سوائے حصول قرب چودھراہٹ اور کیا ہے؟)

اس کے ساتھ ہی وہ آیت بھی سامنے لائیں جس میں ''تبذیر'' سے منع کیا گیا۔ اور پہلے گذر چکا ہے کہ اہل علم سفیہ سے ''مبذر'' مراد لیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں دو آیات ہیں سورہ بنی اسرائیل کی۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

> اور (دیکھو؟) جو لوگ تمہارے قرابت دار ہیں، جو مسکین ہیں، جو (بے یارومددگار) مسافر ہیں۔ ان سب کا تم پر حق ہے، ان کا حق ادا کرتے رہو اور مال و دولت کو بے محل خرچ نہ کرو، جیسا کہ بے محل خرچ کرنا ہوتا ہے۔ بے محل خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کرنے والا ہے۔[۵۲]

مولانا آزاد کا نوٹ۔

> ماں باپ کے بعد قرابت داروں کے حقوق ہیں اور پھر ان سب کے ہیں جو ہماری خبر گیری کے محتاج ہوں، پس آیت ۲۶ میں اس کا حکم دیا اور فرمایا "ولاتبذروا تبذیرا٦" تمہارے خرچ کرنے کا صحیح محل یہ ہے، پس بے محل مال و دولت خرچ نہ کرو۔ پھر فرمایا۔ جو لوگ تبذیر کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت بے محل خرچ کر ڈالتے ہیں، مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اڑادیں گے تو وہ شیطان کے بھائی بندوں میں سے ہیں کیونکہ شیطان کی راہ کفران کی راہ ہے اور انہوں نے بھی (مبذرین نے) کفران نعمت کی راہ

اختیار کی۔

مال و دولت کے بے جا استعمال کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ آدمی نہ تو اپنے اوپر خرچ کرے نہ دوسروں پر، محض جمع کر کے رکھے۔ دوسروں پر خرچ نہ کرے قرآن نے دونوں صورتوں کو معصیت قرار دیا ہے، پہلی صورت ''اکتناز'' کی ہے

والذین یکنزون الذھب والفضۃ (۹ : ۳۴)

دوسری تبذیر کی، یہاں اس سے روکا ہے۔[۵۳]

مولانا عثمانی فرماتے ہیں۔

وہ مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقعہ ملے، اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے جو شیطان کی تحریک واغواء سے وقوع میں آتی ہے اور اس سے انسان ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے جس طرح شیطان نے اللہ تعالی کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان واضلال میں خرچ کیا اس نے بھی حق تعالی کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑایا۔[۵۴]

سفیہ ومبذر کا معاملہ!

ایک شخص مرض الموت میں اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کا ۱/۳ سے زائد حصہ عطیہ یا صدقہ میں دینا چاہتا ہے تو اسے روکا جائے گا اور اس پر حجر کے حوالہ سے پابندی لگائی جائے گی کہ یہ حضرت نبی کریم علیہ السلام کا واضح حکم ہے اور ایسا نہ کرنے سے وارثوں کا نقصان ہوتا ہے اس میں کسی قسم کے جھگڑے کا سوال نہیں، سبھی اس پر متفق ہیں، اسی طرح ایک صحیح العقل، سلیم الفطرت بیوی اپنے خاوند کے مال سے یا اپنے مال سے خرچ کرتی ہے تو اسے بھی شریعت اجازت دیتی ہے لیکن یہ اجازت بھی ۱/۳ تک ہے اس سے زائد پر گرفت ہوگی۔

ایک بچہ ہے تو اس پر پابندی لگانا کہ وہ کم سنی کے سبب اپنا مال اڑا نہ دے، بالکل صحیح اور مسلمہ معاملہ ہے، غلام کی بات ہے تو آج دنیا میں اس کا رواج ہی نہیں، یہ قصہ مدت ہوئی انجام کو پہنچ چکا ہے، ہمارے سامنے اصل سوال سفیہ و مبذر کا ہے سفیہ، اس معنی میں نہیں کہ وہ کم سن ہے یا جنون کا شکار ہے بلکہ سفیہ بمعنی مبذر کا معاملہ ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اس سے اجتماعی طور پر فساد و بگاڑ اپنی انتہا تک پہنچ چکا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں کا ایمان معرض خطر میں ہے، اس وجہ سے دنیا میں ایسے انقلاب رونما ہو چکے ہیں۔ جن کی وجہ سے ایمان و اخلاق کا جنازہ نکل گیا ہے جب کوئی معاشی نظام ''قارونی ذوق'' کے مطابق استوار ہوگا اور ایک مخصوص طبقہ یہ سوچ کر کہ میرے حالات، میری، علمی وعملی صلاحیت وغیرہ نے مجھے اس کا موقعہ فراہم کر دیا ہے کہ میں ۲، ۴ سو مربعہ زمین ۱۰، ۲۰ محلات اور کوٹھیوں، تجارتی اداروں اور صنعتی پلانٹس کا مالک بن سکتا ہوں تو پھر قوموں کی اکثریتی آبادیاں دوسرے رخ سے سوچیں گی۔ اس سے پہلے کہ ایسی شکل پیدا ہو ضروری ہے کہ حالات پر قابو پایا جائے۔

آج لوگ اخلاقی تعلیم سے یکسر غافل ہو کر کہتے ہیں کہ صاحب معاشیات سے اخلاق کا کیا تعلق؟ یہ تو اپنے زور کی بات ہے، آپ جتنا چاہیں سمیٹ لیں، لیکن یہ فلسفہ قابل قبول نہیں۔

جمہوریہ ہند کے سابق صدر مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین ایک معروف ماہر معاشیات تھے انھوں نے لکھا۔

کسی دیوار میں کبھی کوئی کیل بھی بلا اخلاقیات کے نہیں ٹھونکی گئی اور آپ کہتے ہیں کہ تم معاشیات سے اخلاقیات کو یکسر نکال دو۔[55]

ایک اور دوسرے مفکر کے بقول۔

معاشی مشاغل کے دائرہ میں اسلام کا مقصد پورے سماج کی عام خوشحالی

ہے۔ نہ صرف چند مستثنیٰ خواص کی جاگیرداری، جو بھی مختلف معاشی تعلیمات اسلام نے دی ہیں سب کی انتہائی غرض و غایت معاشرہ کے مختلف طبقات و افراد میں کسی نمایاں فرق و امتیاز کو مٹانا ہے۔[52]

ایک ندوی مفکر ''اسلام کی اقتصادی روح کا تعین'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

> سوال یہ ہے کہ وہ روح کیا ہے؟ اور اس کا تعین کیونکر ہو جواب واضح ہے، مسائل و احکام کی اس تربیت کی تہہ میں فلسفہ یا روح یہ ہے کہ جہاں تک تقسیم دولت کا تعلق ہے، کسی بھی شخص کے ساتھ ظلم نہ روا رکھا جائے ہر شخص کو اس میں سے مناسب حصہ ملے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب دولت پھیلتی رہے، تقسیم ہوتی اور مختلف افراد میں بٹتی رہے، بیع و شراء، وراثت اور صدقات اور زکوٰۃ کے مسائل دراصل اسی غرض کو پورا کرتے ہیں بہ حیثیت مجموعی اسلام کے مزاج پر غور کرو، اس کا اشکال یہ نہیں کہ دولت کیونکر جمع ہو یا کس طرح معاشرہ میں بڑے بڑے قارون اور سرمایہ دار پیدا کیے جائیں، اس کے برعکس اس کا اشکال یہ ہے کہ دولت کیونکر بکھرے کس طرح مستحق ہاتھوں تک پہنچے اور کیونکر آخر میں غربت اور احتیاج کا خاتمہ ہو۔
>
> ظاہر ہے کہ اسلام جب صدقات، زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کرتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہوسکتا کہ معاشرہ ہمیشہ بلند و پست اور محتاج و غنی کے دو طبقوں میں منقسم رہے۔ ہمیشہ ایک بالاتر گروہ تو دولت وثروت کی فراوانیوں سے بہرہ مند رہے اور ایک طبقہ یا انسانوں کی بہت بڑی اکثریت غربت، افلاس اور احتیاج کے ہاتھوں نالاں اور پریشان رہے۔

پھر انہوں نے واضح کیا کہ اصل روح گردش دولت ہے اس سلسلہ میں سورۃ التوبہ کی آیت ۳۵۔ سورہ حشر کی آیت ۷ سورۂ ذاریات کی آیت ۱۹، اور البقرہ کی

آیت ۱۷۷ (آیت البر) کو ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے، جو بلاشبہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور اسلام کی روح کا اصل اقتضا یہی ہے۔ وہ کسی طور اجازت نہیں دیتا کہ اس میں استحصال کا دور دورہ ہو۔ استحصال کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرہ میں لینے دینے کے دو پیمانے ہوں، صاحب حیثیت و ثروت کا معاملہ آئے تو اپنی حیثیت کے بل بوتے پر اور انداز اختیار کرے لیکن اس کی تجوری سے نکلنے کی نوبت آئے تو وہ مزدور کے اس وقت کے پیسے بھی کاٹ لے جس میں اس نے نماز ادا کی قرآن عزیز نے سورۂ مطففین کی ابتداء میں ایسے ہی لوگوں کو خرابی کا مستحق گردانا اور فرمایا۔

> ناپ، تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر اور تول کر دیں تو کم کر دیں۔

یعنی جب اپنے نفع کا سوال ہو تو بھاؤ اونچا ہو (بلکہ اہل اقتدار سے ملی بھگت کر کے کنٹرول ریٹ کا چکر چلا لے) اور جب دوسروں کو ان کی محنت کا ثمرہ دینا پڑے تو بھاؤ کم ہو جائے۔ گویا استحصال تطفیف کی ایک قسم ہے۔ [۴۷]

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ سفیہ، مبذر اور مسرف اللہ تعالیٰ کے مجرم ہیں اور مجرموں پر سزا، پابندی اور کنٹرول شرعاً و دیانتاً صحیح ہے اور جب کہ ایک بچے اور مجنون پر پابندی لگائی جا سکتی ہے اور اس کا مال محفوظ رکھا جا سکتا ہے تا کہ کم سنی، ناتجربہ کاری اور جنون کی وجہ سے وہ ضائع نہ کر دیں تو ایک ایسا شخص جو اپنی شاہ خرچی، اسراف و تبذیر اور سفاہت (دینی، اخلاقی بے راہ روی) کے سبب مال اڑاتا ہے۔ اس پر کیوں نہ پابندی لگائی جائے گی۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ معاملہ بچہ اور مجنون کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس پر حکومت اور سوسائٹی اور عدلیہ اور مقننہ سب کو غور کرنا چاہیے۔ ائمہ کی اکثریت اس موقف کی حامی ہے سوائے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

کے۔ لیکن حضرت ابو حنیفہ جس وجہ سے ایسے شخص پر حجر کی پابندی کی اجازت نہیں دیتے، وہ بالکل مختلف ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ شخص بہت اچھا ہے لہذا جو کر رہا ہے کرتا رہے۔ بلکہ ان کے مؤقف کی ترجمانی یہ ہے۔

کہ وہ اور ان کے دونوں معروف اصحاب، امام ابو یوسف اور امام محمد اس پر تو متفق ہیں کہ بد اطوار (مبذر، سفیہ اور اس قسم کے شخص) کو محض بالغ ہونے کی بناء پر مال نہ تھما دیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ تجربہ اور آزمائش سے اس کی اہلیت ثابت ہو تب مال اس کے سپرد کر دینے کے حامی ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ اس نے اپنی اصلاح کی یا نہیں کی۔ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد بغیر اصلاح اس کے حق میں نہیں وہ اسے مجور ہی رکھنے کے موقف کے حامی ہیں۔ چہ جائیکہ عمر کتنی ہی ہو جائے، جب تک وہ اصلاح نہ کر لے۔[۵۸]

امام صاحب کے مؤقف کی توجیہ علامہ عبدالرحمان الجزیری نے یہ کی:

کہ اگر ایک شخص اپنے مال کو ضائع کرتا ہے اور عمر کی پختگی کے باوجود خیال نہیں کرتا تو اس کی سزا یہی ہے کہ مال اس کے ہاتھ میں نکل کر دوسرے ہاتھ میں چلا جائے جو اسے اپنے مفاد میں استعمال کرے۔ البتہ امام صاحب یہ ضرور فرماتے ہیں۔

اگر ایسا شخص پیشہ ور ہے اور اس کے پیشہ سے کسی کو نقصان ہوتا ہے تو اس پر اس پیشہ کے سلسلہ میں پابندی لگا دی جائے۔[۵۹]

جس کا معنی یہ ہے کہ امام صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ایسا فضول خرچ خالی ہاتھ ہو جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے اور پیشہ ور ہونے کی صورت میں وہ بھی پابندی کے موقف کے حامی ہیں۔ رہ گئے ان کے اصحاب (امام ابو یوسف امام محمد) اور دوسرے ائمہ تو وہ سب بالاتفاق ایسے شخص پر حجر کے قائل ہیں اور یہ ہی جمہور کا قول ہے اور اسلام کے عہد زریں میں اسی کا اعتبار ہوا۔ چنانچہ

حنابلہ کہتے ہیں کہ بغیر صلاحیت (مالی اور دینی امور کی انجام دہی کی استعداد اور صلاحیت) مال اس کے سپرد نہ کیا جائے بلکہ اس کا باپ، وارث، وصی یا حاکم کنٹرول کرے۔

شوافع کہتے ہیں کہ اس میں دینی صلاحیت اور مال برتنے کا شعور ہو تب مال اس کے سپرد کیا جائے۔ اور دینی صلاحیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ صغیرہ گناہوں میں اس طرح ملوث نہ ہو کہ انہیں بار بار کرے اور مالی صلاحیت یہ ہے کہ فضول خرچی نفسانی اور ناجائز خواہشات میں مال برباد نہ کرے۔

اور مالکیہ کہتے ہیں کہ جب ثابت ہو جائے کہ وہ مال کی حفاظت کے قابل ہو گیا ہے تو پھر اس کے سپرد کیا جائے۔[۴۰]

گویا اڑانے والا عیاش، مسرف اور فضول خرچ ایسا مجرم ہے کہ ائمہ کی پوری جماعت اس پر پابندی کے حق میں ہے۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تو ''فاسق'' پر بھی حجر کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں۔

> وقال الشافعی رحمة اللہ تعالیٰ یحجر علیه (علی الفاسق) زجرا له وعقوبة علیه.

صاحب ہدایہ اس کو نقل کرتے ہوئے حضرات صاحبین (امام ابو یوسف امام محمد) کا بھی یہی قول نقل کرتے ہیں۔

> ویحجر القاضی عند هما ایضاً...... بسبب الغفلة[۴۱]

یعنی فاسق کو ڈانٹ ڈپٹ اور سزا کے لیے مجبور کیا جائے گا اور غفلت کے سبب اسے پابند کر دیا جائے گا۔

اہل علم جانتے ہیں کہ ''فسق'' قید شریعت سے نکل جانے، حدود الٰہی سے

تجاوز، بدکاری سے لے کر عام نافرمانی تک بولا جاتا ہے۔[۴۲]

اور جس تناظر میں یہاں گفتگو ہو رہی ہے اس میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عام نافرمانی ہی مراد ہے۔ تو جب ایک عام نافرمان شخص پر پابندی کی بات کی جاتی ہے تو کھلے بندوں اسراف و تبذیر کا ارتکاب کرنے والوں اور مال و دولت کو عیاشوں میں اڑانے والوں کا کیا حکم ہوگا؟

اور فاسق پر حجر کی پابندی کا قول امام شافعی کے علاوہ امام مالک، امام احمد اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے۔[۴۳]

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

> انہ لا یدفع الیہ مالہ قبل وجود الامرین: البلوغ و الرشد و لو صار شیخا وھذا قول اکثر اھل العلم قال ابن منذر اکثر علماء الامصار من اھل الحجاز والعراق و الشام و مصر یرون الحجر علی کل مضیع لمالہ صغیر اکان او کبیر و ھذا قول القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق و بہ قال مالک و الشافعی و ابو یوسف و محمد[۴۴]

یعنی دونوں باتوں سے قبل مال اس کے سپرد نہ کیا جائے گا ایک بلوغ دوسرے رشد (عقل و دانائی اور صلاحیت دینی) اکثر اہل علم کا یہی قول ہے ابن منذر فرماتے ہیں حجاز، عراق، شام اور مصر کے اکثر علماء اس شخص کے حق میں حجر کے قائل ہیں جو مال کو ضائع کرنے والا ہو قطع نظر اس کے کہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا (مدینہ منورہ کے سات فقہا میں سے ایک قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی قول ہے اور امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف اور امام محمد رحہم اللہ تعالیٰ یہی فرماتے ہیں۔

اس سے متصل ابن قدامہ نے امام قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہم اللہ تعالیٰ کے بہت سے فتاویٰ نقل کیے ہیں جن میں ان سے اس قسم کے مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے حجر ہی کے جواز میں فتاویٰ مرحمت فرمائے۔

مغنی المحتاج کے متن میں ''رشد'' کا معنی ''صلاح الدین والمال'' کیا گیا ہے اور ''مبذر'' کی تفسیر میں کہا گیا ہے معاملات میں غبن فاحش کرنا یا حرام کاموں میں خرچ کرنا یا ایسے ہی سٹے کی تجارت کرنا۔[۴۵]

محمد جواز مغنیہ نے سفیہ اسے قرار دیا ہے جو مال و منال کو احسن طریقے سے برتنے کا سلیقہ نہ رکھے اور معروف (صحیح اور شرعی طریق) میں خرچ نہ کرے اس شخص پر حجر ہوگا حتی کہ فقہا امامیہ (روافض و شیعہ) بھی اسی کے قائل ہیں اور حاکم پر لازم گردانتے ہیں کہ وہ حجر لگا دے۔[۴۶]

علامہ ابو البرکات نے ''سفہ'' پر نفیس بحث کی ہے، اس کا خلاصہ ہم اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''سفہ'' اسباب حجر میں سے ایک ہے جس کا مفہوم ہے ''تبذیر'' یعنی ایسی جگہ مال خرچ کرنا، جن کی شریعت نے اجازت نہیں دی مزید اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ جیسے مال کو شراب نوشی اور قمار بازی میں اڑانا (بڑے بڑے بار، فائیو سٹارز ہوٹل کے دھندے، گھڑ دوڑ اور ایسی سب باتیں اس ضمن میں آتی ہیں) شطرنج کھیلنا، یہ چیزیں مطلق اور اجتماعی طور پر حرام ہیں یا معاملات میں غبن فاحش، یا کسی دینی، اخروی اور دنیوی ضروری مصلحت کے بغیر خرچ کرنا کہ اس سے انسان کا جھوٹا وقار بنے (اس کے خیال میں) جائز طریقوں کے علاوہ شہوات نفسانیہ میں خرچ۔ اس میں خورد و نوش، ملبوسات، سواری وغیرہ کا اسراف بھی شامل ہے (کہ ایک ایک وقت میں کئی کئی کھانے، کئی کئی موٹر گاڑیاں ان گنت جوڑے وغیرہ) کا اسراف بھی شامل ہے یا ایسے ہی دولت کا بے محل مصرف جیسے کسی دریا میں، سمندر

میں کھانا وغیرہ بہا دینا۔

جیسا کہ سفہاء (بالخصوص نو دولتیوں کی عادتیں ہیں کہ اپنے مجرم ضمیر کی تسکین کے لیے ایسی حرکات کرتے ہیں) کی عادت ہے۔ الغرض یہ سب چیزیں سفاہت وتبذیر میں شامل ہیں اور ایسے شخص پر حجر لازم ہے۔[۴۷]

جن حضرات نے ''رشد'' سے محض ''صلاح مال'' مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ جس شخص میں مالی طور پر صلاحیت پیدا ہو جائے وہ راشد اور رشید ہے، لہٰذا مال اس کے سپرد کر دینے میں حرج نہیں ___ ان کا موقف بڑا کمزور ہے کیونکہ رشد کا تعلق صرف صلاحیت مال سے ہی نہیں، دین سے بھی ہے، بلکہ دین اہم اور مقدم ہے ___ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

اگر محض رشد سے کسب وصرف مال میں دانائی مراد ہو تو یہود ونصاریٰ تو بڑے عقل مند (راشد) قرار پائیں گے ___ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ رشد کا تعلق دین کے ساتھ ہے ___ انہوں نے اپنی دلیل میں یہ آیت پیش کی **قد تبین الرشد من الغیّ**[۴۸] جس میں اللہ تعالیٰ نے ''رشد'' (بھلائی، سمجھ بوجھ، نیکی، راستی) کو ''الغی'' (گمراہی اور ضلالت) کے مقابلہ میں بیان کیا ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ ''رشد'' کا تعلق محض صلاحیت مال سے نہیں صلاحیت دین سے بھی ہے بلکہ پہلے دین پھر مال۔[۴۹]

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**الحجر علی البالغین بالسفه**" (بالغوں پر حجر لگانا ان کی سفاہت کے سبب) کے عنوان سے باب قائم کیا ہے جس میں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض فیصلے درج ہیں ___ حضرات ائمہ کبار ان روایات سے استناد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ ایک آزاد بالغ کو بھی ضرورت کے تحت مجبور کیا جا سکتا ہے اور اس پر تصرف مالی کے

سلسلہ میں پابندی لگائی جاسکتی ہے۔ ؎

اسی طرح امام بیہقی نے ایک باب قائم کیا جس کا عنوان ہے۔

النهي عن اضاعة المال في غير حقه.

یعنی غیر حق میں مال کو ضائع کرنا۔

اس باب میں انہوں نے چار روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے راوی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے نامور صحابی رسول ہیں اس روایت کے آخر میں ہے، "**وکرہ لکم ثلاثا .... اضاعة المال**" کہ حضور اقدس علیہ السلام نے تین چیزوں کو تمہارے حق میں سخت ناپسندیدہ قرار دیا جن میں سے ایک مال کا ضائع کرنا ہے۔ یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عثمان ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسحاق بن ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی۔

دوسری روایت ایک خط پر مشتمل ہے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کے خلیفہ راشد سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام لکھا اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالہ سے جہاں اور باتوں سے روکا وہاں ''اضاعت مال'' سے بھی روکا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ حکومتی پالیسی ہو اور اس پر پوری مملکت میں عمل ہو۔

تیسری روایت یہ ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان رحمہا اللہ تعالیٰ نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے ''اضاعت مال'' کی حقیقت معلوم کی تو سعید نے فرمایا:

هو الرجل يرزقه الله الرزق فيجعله في حرام حرمه عليه.

کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے رزق دیا وہ اسے حرام کاموں میں خرچ کرتا ہے تو یہی اضاعت مال ہے، یہ روایت بخاری کے علاوہ مسلم میں بھی ابن ابی عمر عن مروان بن معاویہ سے منقول ہے۔

اور چوتھی راویت مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے کہ

:

النفقة فی غیر حق هو التبذیر

کہ غیر حق میں خرچ کرنا ہی تبذیر ہے[۱]

بیہقی کے محشی نے ابن حزم کے حوالہ سے ''رشد'' پر جو گفتگو کی ہے اس کا مختصر ذکر تو ہوا لیکن ہم چاہتے ہیں کہ براہ راست محلی سے اس بحث کا نفیس خلاصہ پیش کر دیں، ابن حزم کہتے ہیں۔

> ''رشد کی شرط کے ساتھ اللہ تعالی نے مال، مالک کے سپرد کر دینے کا حکم دیا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ رشد ہے کیا؟ فرماتے ہیں کہ واقع یہ ہے کہ اصل رشد دین ہے۔ کسب مال کی معرفت کا نام رشد نہیں۔ اس سلسلہ میں ایک تو وہی آیت دلیل ہے جو البقرہ کی ہے (۲۵۶) جس میں رشد غی کے مقابلہ میں آیا ہے دوسرے سورۂ حجرات کی آیت ہے جس میں صحابہ کرام کو ''راشدون'' کہا گیا، تیسرے سورۂ ہود کی آیت ۹۷ ہے جس میں ہے ''وما امر فرعون برشید (کہ فرعون کا دینی معاملہ درست نہ تھا) یہ تمام آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ رشد کا تعلق دینداری، تقویٰ اور خیر وصلاح سے ہے۔ دوسرے عقلی طور پر دیکھیں تو بالعموم اہل کفر کا معاملہ دینوی مال دولت اور کسب وتجارت کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے بخلاف مسلمانوں کے اور خاص طور پر انبیاء علیہم السلام کے کہ وہاں بالعموم غربت نظر آتی ہے۔ موسیٰ و ہارون اور فرعون و قارون کا معاملہ دیکھیں۔ پھر موسیٰ وخضر کا معاملہ دیکھیں کہ وہ بھوک کے سبب انطاکیہ کے کافروں سے مہمانی کی بات کرتے ہیں۔ حضور کے دور سعادت میں مقنطر (مال جوڑنے والے اور خزانہ کرنے والے) ابولہب اور ولید بن مغیرہ جیسے کافر ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام کا تابیر نخل کے سلسلہ میں مشہور ارشاد

ہے کہ "انتم اعلم بامور دنیا کم" یہ ساری باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ''رشد'' کا تعلق کسب مال وغیرہ سے نہیں بلکہ ''رشد'' اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نام ہے اور ایسے انداز سے کسب مال کا نام ہے کہ نہ دین کا نقصان ہو نہ عزت برباد ہو (وقار قائم رہے) اور مال ایسی جگہ خرچ کریں جہاں خرچ کرنا لازم ہے اور جس کے ذریعہ سے جہنم سے نجات حاصل ہو۔ ساتھ ہی اپنا اور اپنے اہل و عیال کا قناعت اور توسط کے ساتھ گذر بسر ہو۔ پس یہی رشد ہے۔ **فھذا ھو الرشد** [؎۲]

پھر امام ابن حزم تبذیر، **اسراف ...و بسط الید کل البسط** (ہاتھ کھلا چھوڑ دینا) کہ ضمن میں لکھتے ہیں۔

کہ تینوں اعمال حرام ہیں اور حقیقت میں ان کا ایک ہی معنی ہے۔ اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ''غیر حق میں خرچ کرنا'' امام زہری سے منقول ہے، جہاں شرعی ضرورت ہو خرچ کرنا اور غیر شرعی مقام پر خرچ سے احتراز کرنا اور رکنا'' __ یہ عمل باطل وہاں ہے۔ اس کا کرنے والا مردود ہے __ شراب نوشی فاسقانہ کاموں کی اجرت، قمار بازی اس میں شامل ہیں (گھڑ دوڑ، لاٹری، بانڈز وغیرہ) __ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا'' اضاعت مال یہ ہے کہ مال راستہ میں گویا بکھیر دیا جائے اور حرام مقامات پر خرچ کیا جائے۔ امام مالک کہتے ہیں'' معاصی میں خرچ کرنا۔ [؎۳]

آج کے دور میں اسراف و تبذیر کے جو مظاہرہ ہیں۔ ان کے لیے یہ تفصیلات بہت کافی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مالی تصرف کا اسے ہی حق ہے جو بنیادی طور پر دیندار اور صاحب تقویٰ ہے اور جو خرچ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا لحاظ رکھتا ہے۔

الشعرانی ___ روایات صحیحہ نقل کرتے ہیں، جو ہمارے مدعا کو بالکل ثابت کرتی ہیں۔ ان کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

> وکان عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا یحجران علی المبذر فی مالہ یمنعانہ من التصرف حتی ینصلح حالہ.[۴۴]
>
> دونوں خلیفہ راشد حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ مبذر پر پابندی لگا دیتے تھے اور تصرف مال سے روک دیتے تھے جب تک وہ اپنے حال کی اصلاح نہ کر لے۔

بے مقصد تعمیرات کا سلسلہ آج کل بہت عام ہے، ایک ایک شخص کی کئی کوٹھیاں ملک کے مختلف شہروں میں عام شہریوں کا منہ چڑاتی ہیں حتی کہ اسلامیان پاکستان میں ایسے بھی ہیں جنھوں نے یورپ اور مشرق کے ممالک میں جزیرے خرید رکھے ہیں، محلات اور کوٹھیاں بنا رکھی ہیں اور اس طرح بے ہنگم دولت اینٹ گارے کی نظر ہو رہی ہے جب کہ لاکھوں کروڑوں مسلمان ایسے ہیں جنھیں سر چھپانے کو کچی جھونپڑی میسر نہیں۔ یہ معاملہ بڑا سنگین ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اپنی تعمیرات کی بنیادوں میں ایک حرام پتھر بھی نہ لگاؤ کیونکہ اس کے سبب وہ ساری عمارت خرابی کا شکار ہو جاتی ہے۔[۴۵] اور جہاں پوری عمارت حرام مال سے بنی ہو۔ وہاں کیا ہوگا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ بڑے زمیندار، جاگیردار، اہل صنعت اور بیورو کریٹس کے بنگلے کراچی سے اسلام آباد تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لاہور میں بعض بنگلے اور کوٹھیاں تو ہمارے ذاتی علم میں ہیں جو ۱۰ اور ۲۰ کنال سے لیکر اس سے زیادہ رقبہ پر بھی پھیلی ہوئی ہیں۔ کراچی، لاہور، اسلام آباد کی جدید آبادیوں پر ملک کے چند خاندانوں کی اجارہ داری ہے۔ اور وہ لوٹ کھسوٹ کی دولت سے یہ حرکات کرکے معاشرے میں فساد پھیلانے کا موجب بن رہے ہیں۔ جبکہ نبوی

تعلیم یہ ہے:

''کہ آپؐ نے ایک شخص کا قبہ نما مکان دیکھا تو ناگواری کا اظہار فرمایا اور پھر اس شخص کے سلام پر جواب دینے کے بجائے اعراض فرمایا، اسے احباب سے صورت حال کا علم ہوا تو اس نے اس کو ہموار کر دیا بعد میں آپؐ کو اس صورت کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔

اما ان کل بناء وبال علیٰ صاحبہ یوم القیامۃ الا مالا بد منہ.

یعنی یاد رکھو ہر عمارت اس کے مالک کے لیے قیامت کے دن وبال ہو گی، ہاں اتنی عمارت معاف ہے جو ناگزیر ہو____ ناگزیر کی تعریف علماء نے اس طرح کی ہے کہ:

ھو ما یقیہٗ من الحرو البرد والسباع و نحو ذالک.

اتنی عمارت جو موسمی تغیرات اور درندوں وغیرہ سے تحفظ کا سامان فراہم کرے۔ ے[۲]

گویا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قبہ نما مکان پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور اس پر بھی ناگواری کا اظہار فرماتے ہیں لیکن یہاں باتھ روم میں جب تک امپورٹڈ سامان نہ ہو اور کنالوں میں پھیلا ہوا باغیچہ نہ ہو اور درآمدی پتھر نہ ہو سیٹھ اور صاحب کی شان نہیں ہوتی (فیا للعجب) صاحب کشف الغمہ مزید لکھتے ہیں کہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو معلوم ہوا کہ خارجہ بن حذافہ نے مصر میں بالا خانہ بنایا ہے جس سے اڑوس پڑوس والوں کو تکلیف ہوتی ہے (ان کی دھوپ متاثر ہوتی ہے، روشنی متاثر ہوتی ہے اور بسا اوقات بے پردگی کا بھی احتمال ہوتا ہے) تو آپؓ نے گورنر مصر سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ کو لکھا۔

فاذا اتاک کتابی هذا فاهدمها ان شاء الله ۔ والسلام

پس میرا خط پہنچے تو اس بالا خانہ کو منہدم کر دیں ـــــــ اسی سے متصل ہے

وکان رضی الله تعالیٰ عنه یکره ان یکون شخص ببلد و له دار ببلد اخر ویقول فلید عها للمسلمین ینتفعون بها ’’

کہ حضرت عمرؓ اس بات کو سخت ناپسند کرتے کہ ایک شخص کی رہائش تو ایک شہر میں ہو اور اس نے مکان دوسرے شہر میں بھی بنا رکھا ہو ـــــ آپ حکم دیتے کہ اس کی ملکیت سے وہ دست بردار ہو کر مسلمانوں کے لیے چھوڑ دے تا کہ وہ اس سے استفادہ کریں۔ اس کے بعد ’’صاحب کشف الغمہ‘‘ حضور اقدس کے چند ارشادات نقل کرتے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو شر میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو وہ مٹی اور اینٹوں میں الجھ کر عمارات میں لگ جاتا ہے

۲۔ کسی بندے کی ذلت و رسوائی کا وقت آتا ہے تو وہ اپنا مال تعمیرات کی نذر کرنا شروع کر دیتا ہے۔

۳۔ کفایت سے زائد جس نے عمارت بنائی قیامت کے دن اسے اس کو اٹھانے پر مکلّف کیا جائے گا۔

۴۔ حضرت عباس نے بالا خانہ بنایا تو حضور علیہ السلام نے اسے منہدم کرنے کا حکم دے دیا ـــــ اور فرمایا مسلمان جو خرچ کرتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کو خلیفہ بناتا ہے (اس کی پناہ میں دیتا ہے) تو اللہ تعالیٰ ضامن ہو جاتے ہیں بشرطیکہ تعمیر نہ ہو یا معصیت میں خرچ نہ کیا ہو۔

اس کے بعد کچھ آثار ہیں ـــــــ جن کا مفہوم یہ ہے۔

۱۔ حضرت ابراہیم نخعی نے کہا کہ سوائے مسجد، کسی عمارت پر اجر نہیں ملتا ـــــــ پوچھا گیا، ضرورت کے لیے جو مکان بنایا جائے اس کا کیا معاملہ ہے ـــــــ

؟ فرمایا ضرورت کی حد تک تو مباح ہے لیکن اس پر اجر بھی نہیں اور گناہ بھی نہیں۔

۲۔ عطیہ بن قیسؒ کے بقول ازواج مطہرات کے حجرے کھجور کی شاخوں کے تھے، حضور علیہ السلام کسی غزوہ میں گئے تو حضرت ام سلمہؓ نے کچھ اینٹوں کا اہتمام کر کے حجرہ بنالیا واپسی پر حضور اقدسؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو عرض کیا کہ پردہ کی غرض سے میں نے یہ کیا اس پر آپؐ نے فرمایا:

> **ان شر ما ذھب فیہ مال المرء المسلم البنیان** وہ بری چیز جس میں انسان کا مال کھپتا ہے وہ تعمیر و عمارت ہے (مقصد یہ تھا کہ جو شکل پہلے تھی ستر کا معاملہ اس سے بھی پورا ہو رہا تھا)

۳۔ حضرت حسن کے بقول جب حضور علیہ السلام نے مسجد بنائی تو فرمایا موسیٰ علیہ السلام کی عریش جیسی عریش بنانا ___ صحابہ نے اس کی تفصیل پوچھی تو فرمایا وہ ایسی چھت تھی کہ آدمی ہاتھ بلند کرتا تو چھت تک پہنچ جاتا۔

۴۔ عمرو بن دینار کے بقول حضور اکرم علیہ السلام کے زمانہ میں بڑی بڑی چار دیواریاں نہ تھی بس ستر و پردہ کی ضرورت کی حد تک چھوٹی چھوٹی دیواریں ہوتیں ___ بعد میں حضرت عمرؓ نے حالات کے تحت اس سے کچھ زائد کی اجازت دے دی۔

۵۔ عمار بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص سات ہاتھ سے بلند عمارت بناتا تو لوگ اسے ”افسق الفاسقین“ (فاسقوں میں سب سے زیادہ فاسق) کہتے اور پوچھتے کہ اس کو کہاں تک لے جاؤ گے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بقول حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دوسری منزل پر رہائش تھی اور وہ اتنی بلند تھی کہ اگر کوئی سائل کچھ مانگتا تو اوپر سے ہی اس کو کھانا وغیرہ پکڑا دیتے (پھینکے بغیر ہاتھ میں دے دیتے ___ گویا اتنی پست چھتیں تھیں۔ [۴۸]

یہ تو ایک تعمیرات کے معاملہ میں احادیث و آثار ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کس حد تک سادگی، قناعت اور حدود کے دائرہ میں رہنے کی تعلیم دیتا ہے اور اس کے برعکس وہ اسراف و تبذیر کا کتنا بڑا دشمن اور اس کو کس طرح مٹانا چاہتا ہے___ اس کے ساتھ ہی ذرا انسانی زینت اور تعمیرات وغیرہ میں بھی زیبائش و آرائش پر ایک نظر ڈالیں کہ اسلام کا موقف کیا ہے اور اب اس کے ماننے والے کیا کر رہے ہیں؟

سورۂ النساء کی آیت ۱۱۹ میں شیطان کا ایک قول ہے۔

ولا مرنهم فليغيرن خلق الله.

یعنی میں انہیں حکم دونگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ساخت میں ردوبدل کریں گے۔ "تغییر خلق اللّٰہ" کا ایک مفہوم تو داڑھی منڈوانا ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین نے نقل کیا اور اگر بات کو سنجیدگی سے دیکھا جائے تو صرف ایک مد ہی میں اسراف کے جو مظاہر سامنے آتے ہیں___ انہی کا ٹھکانہ نہیں___ حجام کی دکان کی شیو سے لیکر ذاتی طور پر شیو کرنے میں مجموعی طور پر سوچیں کہ قوم کا کتنا اجتماعی سرمایہ اس کی نذر ہو جاتا ہے؟

اس کا ایک مظہر جسم کو گودنا، دانتوں کو نوکدار بنانا اور خوبصورتی کے لیے آپریشن اور پلاسٹک سرجری ہے___ حضور اقدسؐ ایسے لوگوں پر لعنت فرماتے ہیں۔

> "لعنت فرمائی اللہ تعالیٰ کے رسول نے گودنے والی پر گدوانے والی پر
> ، دانتوں کو نوکدار بنانے والی پر اور اُس پر جو دانتوں کو نوکدار بنوائے"[۹۷]

یہ بھی اہل ثروت کے چونچلے اور ان کے مشاغل ہیں، ان کاموں کے لیے بیش قیمت اڈے بنتے ہیں جن کی فیس بے حد زیادہ ہوتی ہے___ یہ معاملہ اس حد تک بڑھتا ہے کہ شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے___ چنانچہ عیسائی ہاتھ اور سینہ پر

صلیب کا نشان گدواتے ہیں بہت سے اہل مذاہب اپنے دیوی دیوتاؤں کی تصویریں بنواتے ہیں اور مذہبی شعائر کا مظہر اس سے ہونے لگتا ہے۔

دانتوں کے نوکدار بنانے کے ساتھ ساتھ دانتوں کے درمیان درزیں بنانا بھی موجب لعنت ہے جیسا کہ اسی سے متصل مسلم میں روایت ہے اور اسے امام بخاری نے بھی نقل کیا ___ یہ فیشن میں غلو ہے جس سے اسلام سخت انکاری ہے ___ اسی فیشن پرستی میں بھنویں باریک کرانا اور بال جوڑنا بھی ہے چنانچہ امام ابو داؤد نے اس سلسلہ میں ایک روایت نقل کی جس سے بال نوچ کر یا جدید انداز کی مشینری سے کاٹ کر بھنویں باریک کرنے پر لعنت آئی ہے اور حضرت امام بخاری نے حضرت عائشہ، حضرت اسماء، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم متعدد صحابہ سے بال جوڑنے پر حضور علیہ السلام سے لعنت نقل کی ___ اس کو دیکھیں اور پھر اپنے بازاروں دکانوں وغیرہ میں چوٹیوں کا تھوک کا کاروبار دیکھیں ___ حضور علیہ السلام نے اس کو جعل سازی سے تعبیر فرمایا یہ بھی تغیر خلق اللہ کی ایک شکل ہے۔

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری بار مدینہ کا سفر کیا تو بالوں کا گچھا (چوٹی) نکال کر فرمایا، یہ یہودیوں کا فیشن ہے نبی کریم علیہ السلام نے اسے جھوٹ، فریب اور جعلسازی کا کاروبار بتایا ہے۔

___ اور مزید فرمایا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں اسی قسم کے فیشن سے تباہ ہوئیں ___ امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا کہ ان چیزوں پر سخت وعیدیں اس لیے ہیں کہ ان میں تغیر خلق اللہ کا پہلو بھی ہے اور زور، دھوکہ اور فریب کا بھی۔ [۸۰]

اپنے جسم کی جائز زیب و زینت میں جس طرح حرج نہیں اسی طرح لباس

وغیرہ میں ضرورت کی حد تک تزئین کی بھی اجازت ہے لیکن جب معاملہ اسراف و تبذیر کی حدود میں آ جائے کہ بیک وقت کئی کئی جوڑے اور سوٹ، سوٹ کیسوں اور الماریوں کی زینت ہوں تو اسلام جیسا سادگی پسند دین کبھی پسند نہیں کرتا ____ اسی طرح وہ لباس میں فخر و غرور کا سخت دشمن ہے۔

چنانچہ مردوں کے لیے سونا اور ریشم کی حرمت اور عورتوں کے لیے اجازت لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کے حق نہ ادا کرنے پر شدید وعیدیں، بالعموم خواتین زیورات کی زکوۃ نہیں دیتیں اور کہتی ہیں کہ یہ ہمارے استعمال کا ہے ___ تجارتی تھوڑا ہے؟ حالانکہ سونا چاندی کسی حال میں ہو، اس میں زکوۃ لازم ہے) اپنی جگہ حقیقت ہیں ___ عورت کے سلسلہ میں اس ارشاد کو سامنے رکھیں جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:

> دو گروہ بکثرت جہنم میں، میں نے دیکھے ظالم حکمران، جو لوگوں کو ہر وقت کوڑے برسائیں ایسی عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی برہنہ ہوں۔ مردوں کی طرف مائل ہوں۔ ان کے سر اونٹ کے جھکتے ہوئے کوہان کی طرح ہوں۔ (چوٹیاں وغیرہ رکھ کر)

پھر لباس ہی کے حوالہ سے اس قول باری تعالیٰ کو سامنے رکھیں۔

اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ پسند نہیں جو اترانے والے اور فخر کرنے والے ہوں۔ (الحدید:۲۳)

اور حضور اکرم علیہ السلام کا ارشاد ہے:

> ''جو اپنے کپڑے تکبر سے گھسیٹتے ہوئے چلیں گے (یا غرور و تکبر کا کوئی اور انداز اختیار کریں گے) تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے۔''

نیز فرمایا:

شہرت کا لباس پہننے والا قیامت کے دن ذلت کے لباس میں ملبوس کیا جائے گا۔ [۸۱]

لباس کے بعد مکان انسان کی ضرورت ہے —— اللہ تعالیٰ نے اسے ''جائے سکون'' بتلایا ہے (النحل : ۸۰) اور حضور علیہ السلام نے نیک بیوی، پرسکون کھلا مکان، اچھا پڑوسی اور ضرورت کی اچھی سواری کو باعث سعادت بتلایا —— گھروں کو صاف ستھرا رکھنے کی تلقین کی —— ارشاد ہے:

> ''اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ لطیف ہے، نظافت کو پسند کرتا ہے۔ کریم ہے اسے کرم پسند ہے، فیاض ہے، فیاضی پسند کرتا ہے —— اپنے گھر کے صحن صاف رکھا کرو، یہود کی مشابہت نہ کرو۔''

لیکن طویل طویل رقبوں میں مکانات، بالخصوص جبکہ معاشرہ کی اکثریت افلاس، تنگ دستی کا شکار ہو اور اسے کبھی جھونپڑی میسر نہ ہو، اس کی بالکل اجازت نہیں —— تفصیل پہلے گزر چکی —— ساتھ ہی بیش قیمت برتن، جن میں بڑھتے بڑھتے معاملہ سونے چاندی کے برتنوں تک پہنچ جاتا ہے اور انواع و اقسام کی کراکری سے گھر بھرا ہوتا ہے —— اس کا کیا جواز ہے۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بقول حضور علیہ السلام نے فرمایا:

> ''سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے والا پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہا ہے۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول حضور علیہ السلام نے سونے چاندی کے برتنوں حریر و دیبا کے لباس اور ان کے فرش و گاؤ تکیے سے منع فرمایا —— یہ اس دنیا میں کافروں کے لیے ہیں ہمارے لیے آخرت میں ہوں گے۔

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی علت مردوں عورتوں دونوں کے لیے اسراف

، تکبر اور غریبوں کی دل شکنی قرار دیتے ہیں۔

پھر گھروں میں تصاویر، مجسمے اور ایسی چیزیں سجائی جاتی ہیں حالانکہ جس گھر میں مجسمے ہوں وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے ___ اس سے عقیدہ توحید پر حرف آتا ہے ___ اسی سے شرک کا دروازہ کھلتا ہے ___ اس میں اسراف و تبذیر ہے[۸۲]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول

> ”تمدن کے فساد کا اصل سبب امراء کی نفس پرستیاں ہیں، وہ زندگی کی سادہ اور حقیقی ضروریات سے گزر کر دنیا کی رنگ رلیوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس کے شیدائی بن جاتے ہیں ___ پھر عام لوگ بھی ان کی دیکھا دیکھی ایسے ہی معاملات کا شکار ہو جاتے ہیں ___ جب وسائل رزق اس میں ان کا ساتھ نہیں دیتے تو وہ چوری، ڈاکہ، حرام کاری اور نہ معلوم کیا کیا طریقے ایجاد کر لیتے ہیں ___ ظہور اسلام کے وقت عجمی معاشرہ پر یہی مرض مسلط تھا ___ اسلام نے ظہور مفاسد کے تمام طریقوں کا قلع قمع کیا جس میں جاگیرداری سسٹم، بیع و شراء کے ناجائز اور غلط طریقے، ربا وغیرہ سب شامل ہیں ___ اور ساتھ ہی ساتھ زندگی کی سادہ اور حقیقی ضروریات کی طرف توجہ دلا کر اسراف سے منع کیا[۸۳]

”حجر“ پر ہم نے گفتگو کی اور اس میں خاص طور پر سفیہ اور مبذر کا معاملہ کافی تفصیل سے بیان کیا ___ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے دور میں ایک مخصوص طبقہ جو وسائل رزق پر قابض ہو کر ساری دولت کو سمیٹ کر بیٹھ گیا ہے اور پھر وہ جس طرح اس دولت کو اللّے تللّوں میں اڑا رہا ہے، اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ ایسے لوگوں پر کنٹرول کیا جائے، حجر کے مسلمہ اصول فقہی پر انہیں پابند کیا جائے اور ان کے سبب جو مفاسد پھیل رہے ہیں ان کا سدباب کیا جائے ورنہ اس دھرتی پر کسی

IqbalCyberLibrary All rights reserved ©2002-2006

ایسے انقلاب کا امکان رد نہیں کیا جا سکتا جو عقیدہ اور دھرم تک کو بہا کر لے جائے۔

اس میں مطلق شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ بنیادی طور پر دیہی جاگیردارانہ معاشرہ ہے۔ یہاں کی زمین کا بہت غالب حصہ غیر ملکی حکمرانوں کی خدمت اور قوم فروشی کے صلہ میں ان جاگیرداروں کو ملا ہے یہ بجائے خود بہت بڑا جرم ہے، زندہ اور بیدار قوموں کا وطیرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حصول آزادی کے بعد آزادی کے متوالوں کی سرپرستی کرتی اور آزادی کے دشمنوں کا قلع قمع کرتی ہیں، لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں ایسا نہ ہوا ___ بلکہ وہی طبقہ ہماری ہر چیز پر مسلط ہو گیا۔ آج سیاست ان کی ہے، عدالت پر ان کا قبضہ ہے، اجتماعی ادارے ان کے تصرف میں ہیں، ملک کے مہنگے تعلیمی اداروں پر ان کا تسلط ہے اور یہیں سے ملک کو آئندہ کے لیے حکمران، سیاست دان، متقنن اور منتظم میسر آتے ہیں ___ یہ صورت حال بڑی سنگین ہے ___ سیّد دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ویسے بھی جاگیرداری سسٹم کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ان کا ذوق یہ ہے کہ جس کے پاس زائد از ضرورت زمین ہے وہ اسے اس بھائی کے سپرد کر دے جس کے پاس زمین نہیں ___ حضرت الامام ابو حنیفہ قدس اللہ سرہ العزیز جن کی نسبت سے یہاں کی غالب اکثریت حنفی کہلاتی ہے اور جن کی فقہ کے حوالہ سے یہاں کے علماء چند فروعی مسائل پر گتھم گتھا ہوتے ہیں ___ وہ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں ہی اس بٹائی اور مزارعت کے انداز کو پسند نہیں کرتے قومی، ملی اور ملکی مصالح کا لازمی تقاضہ یہی ہے کہ اس پر نظر ثانی کی جائے ___ اس ملک کی زمینوں کا مسئلہ بجائے خود محل نظر ہے پھر مزارعت و جاگیرداری کا یہ حال ہے کہ وہ ان گنت مفاسد کا باعث بن رہے ہیں تو اس پر نظر ثانی کیوں نہ کی جائے؟

پھر تجارت و صنعت کے حوالہ سے چند خاندانوں کی اجارہ داری جو رنگ لائے گی، اس کا شاید ہمیں اندازہ نہیں یا ہم روایتی طور پر کبوتر کی طرح آنکھ بند

کر کے بلی کے خطرہ کو نظر انداز کرنے کی فکر میں ہیں۔

کتنا ستم ہے کہ ایک طرف انسانی معاشرہ کی بھرپور اکثریت ہے، جسے زندگی کی بنیادی سہولتیں تک میسر نہیں دوسری طرف ایسے لوگ ہیں جن کے زرعی رقبے، صنعت، تجارت، پلازوں، مکانات وغیرہ کے حساب کتاب کے لیے کئی کئی اکاؤنٹس درکار ہوتے ہیں ___ طویل رقبوں پر پھیلی ہوئی محل نما کوٹھیوں میں تعیّشات کا ہر سامان، کئی کئی اے سی، وی سی آر، قالین، ڈنر سیٹ، کلرڈ ٹی وی ___ ایک عذاب ہے جس کی حد نہیں ___ ہمیں چند سال قبل کا وہ قصہ نہیں بھولتا کہ ہمارے ملک کے ایک بڑے جاگیردار جو خیر سے ایک خانقاہ کے سجادہ نشین بھی تھے نے یورپ سے مبلغ ساٹھ ہزار کا کتا منگوایا۔ وطن کی گرم زمین سے کتا متاثر ہوا تو ایک ملازم سمیت اس کتے کو مری بھیج دیا، کتے پر زیادہ خرچ ہوتا، ملازم پر کم ___ قضائے الٰہی سے کتا مر گیا تو اس ظالم پیر، جاگیردار نے اس ملازم کا مختصر سا جھونپڑا، گھریلو سامان اور دودھ دینے والی بھینس ضبط کر لی ___ گویا سارا قصور اسی کا تھا ___ یہ تو اتفاق ہوا کہ قصہ اخبار میں آ گیا اور مثالی طور پر شریف النفس انتظامیہ نے اس کی دادرسی کی ___ ورنہ اس قسم کے واقعات تو ہمارے یہاں روز ہوتے ہیں ___ غریب مزارعین کی بچیوں کا جو حشر پچھلے سال میں چند واقعات کے حوالہ سے آیا اور شہر کے نو دولتیوں نے جس طرح سینما، وی سی آر اور اس سے بڑھ کر ہیرا منڈیاں آباد کیں ہمارے اسلام و اخلاق کا منہ چڑاتی ہیں۔ ان کا کون سدباب کرے گا ___ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول تمدن و معاش کا یہ فساد امراء کی نفس پرستیوں کے سبب ہے ___ امراء کے بال و پر ''حجر'' کے مسلمہ فقہی اصول سے کاٹنے لازم ہیں تاکہ معاشرہ میں سکون ہو سکے۔ ہم ماضی کی داستانیں دہرانے کے عادی ہو گئے لیکن سوال یہ ہے کہ ان باتوں پر کبھی ہمارا عمل بھی ہوگا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلافت سنبھالی تو محافظ دستہ ختم کر

دیا، انواع و اقسام کی سواریاں ختم کر دیں، حتیٰ کہ اپنی بیوی کے زیورات تک بیت المال میں جمع کروا دیئے اور تعیّشات کے جو سامان نظر آئے وہ فروخت کر کے قیمت بیت المال میں جمع کرا دی۔ [۵۴]

سیّدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کل سالانہ خرچ چھ ہزار درہم تھا۔ اور یہ بھی صحابہ علیہم الرضوان نے بڑے اصرار کے بعد ان کے لیے منظور کیا۔ [۵۵]

اپنے ورثاء سے فرما کر سیدنا ابوبکر صدیق اکبرؓ نے اپنی وفات کے بعد یہ مختصر رقم بھی بیت المال کو واپس کرا دی جس پر حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے فرمایا ___ ابو بکر نے بعد میں آنے والوں کو مشکل میں ڈال دیا[۵۶] جب ان کے دورِ خلافت کے کل وظیفہ کا حساب لگایا گیا تو آٹھ ہزار درہم نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ سالانہ پانچ ہزار درہم۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی اتنا ہی تھا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ نہیں لیتے تھے ان کا موقف تھا کہ سربراہ مملکت کا معاملہ یتیم کے والی کا سا ہے ___ وہ ضرورت کے تحت لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔ (سورۃ نساء: رکوع ۱) چونکہ میں صاحب ثروت ہوں اس لیے مجھے ضرورت نہیں۔ [۵۷]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مزاج شناس نبوت اور خلیفہ راشد نے تقسیم مال میں ''علی السویہ'' مساوات کا اہتمام کیا جس پر بعض لوگوں نے کہا ___ اے خلیفہ رسول۔

> ''آپ نے مال برابر تقسیم کر دیا حالانکہ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جن کو دوسروں پر تقدم اور تفوق حاصل ہے اگر آپ ان کے سبقت الی الاسلام اور فضیلت کی رعایت رکھتے تو بہتر ہوتا ___ آپ نے جواب میں فرمایا! تم

> نے جن فضائل وسوابق کا ذکر کیا ہے، ان کو مجھ سے زیادہ اور کون جانتا ہے (آپ تو اس معاملہ میں بڑے آگے تھے کہ سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور آپ نے اپنی ساری دولت خرچ کی، تمام غزوات میں شریک رہے، حضور علیہ السلام کے دست وبازو بنے) لیکن یہ چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے یہ بہر حال معاش کا معاملہ ہے اس میں برابری کا معاملہ کرنا، ترجیح دینے سے بہتر ہے''[۸۸]

یہ اس شخص کی پالیسی ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ اعتماد حاصل تھا ___ لیکن اب دیکھیں تو شرم آتی ہے کہ ایک ایک اہلکار، وزیر اور دوسرے شخص پر اس حد تک اخراجات ہوتے ہیں کہ الاماں ___ سرکاری دائرے میں طویل طویل بنگلے، کئی کئی ملازم، گاڑیاں فون کے اخراجات ___ ان کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں امارت وغربت کا فرق بری طرح بڑھ رہا ہے، خطرات پیدا ہو رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر ان بے ہنگم اخراجات کے نتیجہ میں غیر ملکی قرضے گلے کا ہار بن کر ایک بار پھر ہماری آزادی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں کیونکہ انسانی تاریخ یہی ہے کہ معاشی بے راہ روی، عدم انصاف ومساوات نے سیاسی آزادیوں کو غارت کیا اور ہم غلامی کا شکار ہو گئے ___ اللہ نہ کرے پھر ایسی شکل پیدا ہو لیکن بہر حال یہ خطرات تب ہی ٹلیں گے جب صورت حال کی اصلاح کی جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اراضیات کو سرکاری دائرے میں محفوظ رکھا اور اسے فوجیوں وغیرہ میں بالکل تقسیم نہ کیا، لوگوں نے ہزار کوشش کی کہ عراق وشام کی زمینیں تقسیم کی جائیں، لیکن وہ نہیں مانے ___ بڑی مشاورت اور لے دے کے بعد لوگ ان کے موقف سے متفق ہو گئے۔ [۸۹]

لیکن ہم نے رشوت کے طور پر مختلف طبقات حتیٰ کہ فوجیوں میں زمین تقسیم

کر کے جاگیرداروں کے نئے طبقات پیدا کر دیئے ہیں جس کے نتیجہ میں مسائل نے گھمبیر شکل اختیار کر لی ہے۔ اس لیے ہم حرف آخر کے طور پر حکومت، اس کے اداروں اسلامی نظریاتی کونسل، اسلامی تحقیقاتی ادارہ، شرعی کورٹ اور علماء سے درخواست کریں گے کہ وہ ان مسائل پر سنجیدگی سے غور کریں، لمبے ہاتھوں کو روکیں، ان پر پابندی لگائیں اور معاشرہ میں امن و مساوات کا ماحول پیدا کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق دے۔

آمین بحرمة النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیه و آلہٖ واصحابه وسلم

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved. ©2002-2006

حواشی

۱ الرائد: ص۵۵۲ جبران مسعود بیروت ۱۹۶۷ء

۲ المنجد الابجدی: ص۳۵۴ دارالمشرق بیروت طبع ثانی

۳ المنجد: ص۹۔۱۱۸ مطبع کاثولیکیہ ۱۹واں ایڈیشن۔

۴ فقہ السنۃ للسید سابق: ص ۵۲۶: ج ۳ دارالکتاب العربی بیروت ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

۵ عینی شرح ہدایہ: ص ۴۶۸: ج ۳۔ مصباح القدوری: ص ۲: ج: ۶ مطبوعہ سہارنپور۔

۶ الشرح الصغیر علی اقرب المسالک الی مذہب الامام مالک: ص ۳۸۱ ج ۳ دارالمعارف القاہرہ مختصر تالیف علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیر حاشہ العلامہ الشیخ احمد بن محمد الصاوی المالکی تحقیق وتخریج دکتور مصطفیٰ کمال وصفی۔

۷ المغنی لابن قدامہؒ: ص ۵۰۵: ج ۴ مکتبہ الریاض۔

۸ مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج للشیخ محمد الشربینی الخطیب: ص ۱۲۵ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء

۹ ترجمہ مولانا محمود حسن دیوبندی معروف بہ شیخ الہند ص ۹۹ مطبوعہ مطبع نورانی۔ اچھرہ لاہور آیت نمبر ۶

۱۰ ترجمہ شیخ الہند رکوع نمبر ۳۶ سورۃ البقرہ ص ۶۰۔

۱۱ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ص ۹۳۹: ج ۷ مطبوعہ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء

۱۲ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ لعبدالرحمٰن الجزیری: ص ۳۴۹: ج ۲ مطبوعہ مصر (اس کا اُردو ترجمہ علماء اکادمی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے)

۱۳ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ: ص ۹۴۰ ج ۷

۱۴؎ معجم فقہ ابن حزم، الظاہری ص ۹۷۔۳۹۶: ج ۱ (حرف الحاء) دارالفکر بیروت مطبوعہ ۱۳۸۵ھ

۱۵؎ المغنی لابن قدامہ: ص ۵۰۵: ج ۴

۱۶؎ الہدایہ : ص ۴۔۵۔۲ ج ۳ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ مصر مطبوعہ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء

۱۷؎ مغنی المحتاج: ص ۱۲۵: ج ۲

۱۸؎ مصباح القدوری: ص ۳ تا ۵

۱۹؎ بدایۃ المجتہد: ص ۸۰۔۲۷۹ دارالمعرفۃ بیروت پانچواں ایڈیشن ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۲۰؎ الشرح الصغیر: ص ۸۲۔۳۸۱: ج ۳

۲۱؎ فقہ السنۃ: ص ۵۶۶: ج ۳

۲۲؎ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: ص ۹۴۰ ج ۷

۲۳؎ ۔ایضاً۔

۲۴؎ سورۃ النساء، آیت ع ۵

۲۵؎ ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد ___ ترجمان القرآن : ص ۴۲۷: ج ۲ دہلی ایڈیشن

۲۶؎ تفسیری نوٹس ازمولانا آزاد ترجمان القرآن ص ۴۲۷ ج ۲

۲۷؎ تفسیر عثمانی: ص ۱۰۰ سورۃ النساء رکوع نمبر ۱ آیت ۵

۲۸؎ الجامع لاحکام القرآن: ص ۲۷: ج ۵ داراحیاء التراث العربی بیروت

۲۹؎ القرطبی: ص ۱۳۲: ج ۲

۳۰؎ القرطبی: ص ۹۔۲۸: ج ۵

۳۱؎ القرطبی: ص ۳۰: جلد ۵

۳۲؎ احکام القرآن للجصاص: ص ۶۰ ج ۲ سہیل اکادمی لاہور

۳۳؎ احکام القرآن: ص ۶۱ـ۶۰: ج ۲

۳۴؎ التفسیر الواضح: ص ۱۴۸: ج ۳ـ۴ مطبوعہ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء دارالطباعۃ الحدیثہ القاہرہ للدکتور محمد محمود مجازی **کلیۃ اصول الدین جامعۃ الازہر**

۳۵؎ ابن کثیر ___ تفسیر: ص ۴۵۲: ج سہیل اکادمی لاہور

۳۶؎ الکشاف: ص ۵۰۰ ج ۱، دارالمعرفۃ بیروت

۳۷؎ المنار: ص ۹ـ۳۷۸: ج ۴ دارالمعرفۃ بیروت تیسرا ایڈیشن

۳۸؎ السنن الکبریٰ للبیہقی: ص ۵۴: ج ۶ مطبوعہ دائرۃ معارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۳۵۲ھ

۳۹؎ ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد: ص ۴۲۸: ج ۲ ترجمان القرآن

۴۰؎ تفسیر عثمانی: ص ۱۰۰ و ہکذا فی تفسیر المنار: ص ۳۸۶: ج ۴

۴۱؎ ابن کثیر: ص ۴۵۳ ج ۱، وھکذا فی الکشاف: ص ۵۰۱ ج ۱

۴۲؎ التفسیر الواضح: ص ۱۴۹: ج ۴

۴۳؎ صفوۃ التفاسیر: ص ۸۰: ج ۲ دارالقرآن الکریم بیروت للاستاذ محمد علی الصابونی استاذ کلیۃ الشریعۃ والدراسات اسلامیہ جامعہ ام القری مکہ مکرمہ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۴۴؎ قرطبی: ص ۳۷: ج ۵ ھکذا نقل الجصاص فی احکام القرآن: ص ۶۳: ج ۲

۴۵؎ سنن کبریٰ بیہقی: ص ۵۹: ج ۶

۴۶؎ مولانا ابوالکلام ____ ترجمان القرآن: ص ۱۹: ج ۳ ساہتیہ ایڈیشن دہلی

۴۷؎ تفسیر عثمانی ___ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ: ص ۱۹۹

۴۸؎ تفسیر ترجمان: ص ۱۹ تا ۲۱ ج ۳

۴۹؎ تفسیر عثمانی: ص ۱۹۹

۵۰؎ التفسیر الواضح: ص ۱۳۶ ____ ص ۱۳۷: ج ۸

۵۱؎ فقہ السنۃ از ص ۵۷۲ تا ص ۵۷۴: ج ۲

۵۲؎ بنی اسرائیل آیات ۲۷-۲۶ ترجمہ مولانا ابوالکلام

۵۳؎ ترجمان القرآن:: ص ۲۷۱-۷۲ ساہتیہ دہلی ایڈیشن

۵۴؎ تفسیر عثمانی: ص ۳۶۸

۵۵؎ معاشیات، مقصد و منہاج از ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم: ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ جامعہ دہلی

۵۶؎ بحوالہ الفرقان لکھنؤ بابت ماہ صفر ۱۳۷۲ھ ص ۳۵-۶

۵۷؎ مولانا محمد حنیف ندوی، اساسیات اسلام: ص ۲۴۸-۵۲ (خلاصہ) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۳ء

۵۸؎ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص ۷۰۶: ج ۲ مطبوعہ علماء اکادمی محکمہ اوقاف لاہور

۵۹؎ ۔ایضاً۔ ص ۷۰۰: ج ۲

۶۰؎ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ: ص ۷۰۶-۹ (خلاصہ)

۶۱؎ ہدایہ: ص ۲۰۷ ج ۳

۶۲؎ قاموس القرآن: ص ۴۰۰ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۳ء

۶۳؎ مصباح القدوری: ص ۵ ج ۶ مطبوعہ سہارنپور

۶۴؎ المغنی: ص ۵۰۶-۷ ج ۴

۶۵؎ مغنی المحتاج: ص ۱۲۸ ج ۲

۶۶؎ الفقہ علی المذاہب الخمسہ: ص ۶۳۴-۳۵ دار الجواد بیروت

۶۷؎ الشرح الصغیر: ص ۳۹۳ ج ۱

۶۸؎ البقرہ آیت ۲۵۶

۶۹؎ سنن الکبریٰ للبیہقی: ص ۵۹ ج ۶ (رشد اور غی کے لیے دیکھیں قاموس القرآن ص ۲۴۹ اور: ص ۳۸۶

IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

۷۰ سنن الکبریٰ: ص ۶۱: ج ۶

۷۱ ان پوری روایات کی تفصیل سنن الکبریٰ: ص ۶۳: ج ۶ میں ہے

۷۲ المحلی لابن حزم: ص ۲۸۶ ج المکتبۃ التجاری للطباعۃ و التوزیع والنشر بیروت

۷۳ المحلی: ص۹۱ـ۲۸۹ (خلاصہ مضامین)

۷۴ کشف الغمہ عن جمیع الامۃ از ابی المواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی الانصاری الشافعیؒ المصری: ص ۱۷: ج ۲، مصطفیٰ البابی، الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

۷۵ کشف الغمہ: ص ۲۰ ج ۲

۷۶ کشف الغمہ: ص ۲۰: ج ۲

۷۷ کشف الغمہ: ص ۲۰: ج ۲

۷۸ کشف الغمہ: ص ۲۰: ج ۲

۷۹ مسلم باب تغییر خلق اللہ ریاض ایڈیشن

۸۰ یہ سب ارشادات علامہ یوسف القرضاوی کی کتاب ’’الحلال والحرام فی الاسلام‘‘ سے ماخوذ ہیں ــــــ ایسے موضوعات پر یہ کتاب بڑی نفیس ہے اس کا اردو ترجمہ بمبئی میں الدار السلفیہ کے زیر اہتمام شمس پیرزادہ صاحب نے کیا ہے ــــــ اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے ــــــ ان مباحث کے لیے دیکھیں: ص ۱۱۷ تا ص ۱۲۳

۸۱ الحلال والحرام فی الاسلام: ص ۱۰۶ تا ص ۱۱۷ (خلاصہ)

۸۲ الحلال والحرام فی الاسلام: ص ۱۲۹ تا ص ۱۳۹ (خلاصہ)

۸۳ افادات شاہ ولی اللہ ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ ــــــ مطبوعہ اقبال اکادمی لاہور جون ۱۹۴۴ء تفصیل کے لیے دیکھیں ’’حجۃ اللہ البالغہ ابواب ابتغاء الرزق،

فاضل اردو پنجاب یونیورسٹی ۱۹۸۶ء

ایم۔ اے عربی پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۱ء

ایم۔ اے اسلامیات پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۳ء

ادارت : ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۹۷۴ء۔ ۱۹۸۴ء

رکن مجلس ادارت ماہنامہ میثاق لاہور

کتب : اہل بیت نبوت

۱

۲ خلفاء راشدین حسن کردار و عمل

۳ مولانا محمد علی جالندھریؒ

۴ استاد القراء قاری محمد شریفؒ

۵ افکار شیعہ

۶ واقعہ کربلا و مراسم عزا

۷ ترجمہ کیمیائے سعادت از غزالی

۸ ترجمہ تعبیر الرویا از ابن سیرین

۹ ترجمہ مغازی رسول ﷺ از عروہ بن زبیر

۱۰ ترجمہ مختصر القدوری (غیر مطبوعہ)

علاوہ ازیں ملک کے معروف دینی و علمی رسائل میں

آپ کے

مضامین شائع ہوتے رہے

---------------اختتام-------------

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006